

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارُالعُلوم

جلد: ۱۰۵ | جمادی الاولیٰ-رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق جنوری-فروری ۲۰۲۱ء | شمارہ: ۱-۲

مدیر	نگراں
مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.**:** 2133/57
Vol. No. 105, Issue No. 1-2, Jan.-feb. 2021 जनवरी–फरवरी 2021
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کو اللہ رب العزت نے جن بے شمار خصوصیات وامتیازات سے نوازا ہے، اُن میں سے ایک اہم چیز ضرورت کے مطابق بروقت ملت کی رہنمائی اور اصلاح کی فکر اور مناسب عملی اقدامات کی صلاحیت ہے، موجودہ حالات میں جب کورونا کی وبا کے سبب تمام تعلیمی وتربیتی سرگرمیاں معطل ہوگئیں اور تمام تر کوششوں کے باوجود مدارس کے تعلیمی نظام کو متحرک کرنے میں کامیابی نہیں ملی تو دارالعلوم کے ارباب حل وعقد اور اکابر اہل علم نے ایک نہایت مفید فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرات اساتذۂ کرام کی صلاحیت اور وقت کو دیگر اہم اور ضروری کاموں میں مشغول کیا جائے۔ اس کے تحت تین کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔

(۱) پہلی کمیٹی تصنیف وتالیف اور حضرات اکابر کی تصانیف پر تحقیقی کاموں کے لیے تشکیل پائی، اور بڑی تعداد میں اساتذۂ کرام نے اس کے طے کردہ نظام کے مطابق کام شروع کردیا۔

(۲) دوسری کمیٹی دارالعلوم کے قدیم اور عظیم کتب خانے کی ترتیب کے لیے وجود میں آئی اور وہ بھی اپنا کام کررہی ہے۔ ان دونوں کی تفصیلات کسی مناسب وقت پر پیش کی جائیں گی، ان شاء اللہ۔

(۳) تیسری کمیٹی اصلاح معاشرہ کے لیے تشکیل دی گئی، اس کے تحت باقاعدہ نظام کے تحت حضرات اساتذۂ کرام کے بیانات کا سلسلہ شروع کیا گیا اور مختصر اصلاحی کتابچوں کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس کمیٹی کے کام نہایت سرگرمی سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں انجام پارہے ہیں۔

سردست اسی کمیٹی کے کام کی ضرورت اور طریقۂ کار وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی یہ تحریر پیش کی جارہی ہے۔ جس میں اس کمیٹی کی تشکیل اور اس کے پس منظر کے ساتھ، اصلاح معاشرہ کی ضرورت واہمیت اور علماء کی ذمہ داریوں پر نہایت سہل انداز میں مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ (محمد سلمان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صالح معاشرہ کی تشکیل

ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے کہ ایمان وعقیدہ کی درستگی کے ساتھ خود بھی نیک اعمال کا خوگر ہو، برائیوں سے پرہیز کرے اور دوسروں کو بھی صالح بنانے کی کوشش کرے، اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی فکر اور جدوجہد کرے۔

❁ اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں اس امت کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" (سورہ آل عمران: ۱۱۰)

تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کو نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور خود بھی ایمان والے ہو۔

❁ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (بخاری)

تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ان سب ارشادات سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کی درستگی کے ساتھ اپنے اعمال، اخلاق، عادات اور معاملات کو شریعت وسنت کے مطابق بنانے کی کوشش کرے لیکن صرف اپنے ایمان اور اعمال کی فکر کافی نہیں بلکہ درجہ بدرجہ اپنے اہل خانہ، اہل وعیال، اہل محلّہ، اہل شہر بلکہ تمام لوگوں کو نیکی کی راہ پر لانے کی فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ "والعصر" میں زمانے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ تمام انسان خسارے اور نقصان میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں، اچھے کام کریں، آپس میں ایک دوسرے کو صحیح بات کی تلقین کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر واستقامت کی تاکید کریں۔

ایمان کا ادنیٰ درجہ

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ" (مسلم شریف)

یعنی تم میں سے جو شخص بھی کسی منکر (غلط کام) کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے نکیر کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے مٹائے یعنی دل میں برائی کو دیکھ کر کڑھن پیدا ہو اور اس برائی کو ختم کرنے کی فکر کرے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے نیچے ایمان کا معمولی درجہ بھی نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ذمہ داری بلا امتیاز ہر امتی کی ہے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ حالات کا جائزہ لے، اور اپنے اردگرد جہاں بھی کوئی عملی، اخلاقی برائی نظر آئے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی عمل کو قرآن وسنت کی زبان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، اور جگہ جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور اس عمل میں کوتاہی برتنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

❁ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

''والَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ، لَتَأْمُرُنَّ بالْمَعْرُوفِ، وتَنْهَوُنَّ عَنِ المُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰه أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ عِندِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ ولا يُسْتَجابُ لَكُمْ'' (ترمذی)

فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ بہت جلد اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہارے اوپر عذاب بھیجے گا پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

❁ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

''مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِی قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِی يَقْدِرُونَ عَلٰی أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ إِلَّا أَصَابَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَّمُوتُوا'' (ابوداؤد وابن ماجہ)

فرمایا کہ جو شخص بھی ایسی قوم میں ہو جن میں گناہ کئے جارہے ہوں اور وہ اس کے مٹانے پر قادر ہوں اور پھر بھی نہ مٹائیں ان کو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کردے گا۔

معاشرہ کی حالت زار

اس وقت عام طور پر مسلم معاشرہ کی جو صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، سب سے اہم عبادت نماز سے غفلت عام ہے، نشہ بازی، جوا، سٹہ اور طرح طرح کی مخرب اخلاق اور تباہ کن

عادتوں میں معاشرہ کا بڑا طبقہ مبتلا ہے، شادی کے موقعہ پر فضول خرچی، تلک، جہیز اور لایعنی رسوم کی پابندی کی وجہ سے کتنے گھرانے تباہ ہورہے ہیں، ملٹی میڈیا موبائل کے غلط استعمال سے نوجوان طبقہ بے حیائی اور فحاشی کا شکار ہورہا ہے۔

گھروں میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہورہی ہے۔ یہ اور اس جیسی متعدد عملی اور اخلاقی خرابیوں میں معاشرہ تباہ ہورہا ہے۔

دوسری طرف ان جیسی خرابیوں کے ازالہ کے لیے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر یعنی اصلاح معاشرہ کے لیے جیسی مسلسل اور منظّم جدوجہد کی ضرورت ہے اس میں بھی عام طور پر کوتاہی ہورہی ہے جس کے نتیجہ میں امت میں عام طور پر بے چینی، پریشانی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہماری ذمہ داریاں

ان حالات میں تمام مسلمانوں اور خاص طور پر علماء کرام، ائمہ مساجد، متولیان مساجد، بستی اور برادری کے ذمہ دار افراد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے خود محنت کریں اور اس سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں کے ساتھ عملی اور فکری تعاون پیش کریں۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ معاشرہ کی اصلاح اور رسم ورواج کو ختم کرنے کی محنت بہت قیمتی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا ہے۔ جب بھی دنیا میں بگاڑ پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو نبوت سے سرفراز فرماکر قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔

داعی کے اوصاف

اب جبکہ اللہ کے آخری پیغمبر خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آچکے اور آپ نے تبلیغ دین کا کام امت کے حوالہ فرماکر انھیں یہ ہدایت دی کہ جن لوگوں تک دین کی تعلیمات پہونچیں وہ دوسروں تک پہونچائیں، تو اب ختم نبوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت امت کے علماء، مشائخ، مصلحین، ائمہ اور فکرمند افراد کو عطا فرمائی ہے۔ اس لیے جو حضرات بھی اس سلسلہ میں اپنی صلاحیت، محنت اور وقت صرف کریں یہ ان کے لیے موجب سعادت ہے۔ خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ اس کام میں لگنا چاہیے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس راہ میں مخالفت اور طعن وتشنیع کا بھی سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ ''والعصر'' میں اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اپنے ایمان وعقیدہ کی درستگی اور اعمال صالحہ کے اہتمام کے ساتھ ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کریں تو اس بات کی بھی تلقین کریں کہ حق کی اشاعت کی راہ میں آنے والی

دشواریوں اور مشکلات پر صبر کریں، اور استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ جس خیر کی دعوت دی جائے خود اس پر عمل کی کوشش کی جائے۔اور جس منکر سے دوسروں کو روکا جائے خود بھی اس سے پرہیز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں پر نکیر فرمائی ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیں اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔

❁ ارشاد خداوندی ہے:

’’ اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ‘‘ (البقرہ: ٤٤)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھلا دیتے ہو۔

حاصل یہ ہے کہ معاشرہ کا فساد اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے جس کے نتیجہ میں امت بے چینی، پریشانی، ذلت ونکبت اور زبوں حالی میں مبتلا ہے اس لیے اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہر رخ سے محنت کرنا ضروری ہے، اور یہ محنت وقتی اور محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ پوری لگن ودلچسپی کے ساتھ جاری رہنی چاہیے۔

دارالعلوم دیوبند کا اقدام

اصلاح وتجدید دارالعلوم دیوبند اور اس کے فضلاء کی سرشت میں داخل ہے، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور سید احمد شہید رحمہم اللہ تعالیٰ جس امانت کے حامل تھے وہ امانت علماء دیوبند کے خمیر کا حصہ ہے، فرنگی دور میں مسیحیت کے فتنے سے شروع ہوکر قادیانیت، شیعیت، شرک وبدعت، نیچیریت اور آریہ سماج وغیرہ جس دروازے سے بھی فساد وضلال نے دین کے چشمۂ صافی میں راہ پانے کی کوشش کی تو ارباب دارالعلوم سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوئے ہیں اور ہر طبقۂ انسانی تک حق پہنچا کر دم لیا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے: مختصر وجامع تاریخ دارالعلوم)

❁ خصوصاً جب شدھی اور سنگٹھن کا فتنہ شدت اختیار کیے ہوئے تھا اور ایک مقام پر شدھ ہونے والے چند لوگوں نے کہا:

> ’’مولوی جی! ہم اس لیے شدھ نہیں ہوئے کہ ہم کو ویدک دھرم یا آرریت، اسلام سے اچھا معلوم ہوتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ آپ مسلمان بھائیوں نے ہماری خبر گیری نہیں کی....الخ‘‘۔
>
> (اسباب ارتداد وتدابیر انسداد پر بسیط تبصرہ از شعبۂ تبلیغ جمعیۃ علماء ہند،ص:۲۲)

تو اس وقت کسی بھی دوسری اصلاحی تحریک سے آگے آگے علماء دیوبند طوفان کی طرح اٹھے اور

ارتدادزدہ علاقوں کے علاوہ دیگر علاقوں میں بھی اصلاح وتبلیغ کی تحریک چلائی، مغربی یوپی کے بیشتر اضلاع کے دورے کیے، اصلاح وتبلیغ کے مراکز قائم کیے اور امت کو فتنۂ ارتداد سے بچالیا۔ (تفصیل کے لیے حوالہ بالا،ص:۳۹)

ان حالات میں ''دارالعلوم سے مبلغین کا ایک وفد روانہ کیا گیا، وفد کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ...تحریک نہایت منظّم اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے.....اس پر دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے پے در پے متعدد وفد روانہ کیے گئے آگرہ کو تبلیغی کاموں کا مرکز قرار دے کر علماء دیوبند کا دفتر کھولا گیا.....'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱/۲۶۴)

الغرض عقائد یا اعمال کے اندر جب بھی کوئی بگاڑ آیا اس وقت ارباب دارالعلوم نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اس وقت بھی دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور اساتذہ کرام نے جب معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو دیکھا اور محسوس کیا کہ کہیں دیر نہ ہوجائے اور لوگ کہیں پھر ہم سے یہ نہ کہنے لگیں کہ ''آپ علماء کرام نے ہماری خبر گیری نہیں کی'' تو باہمی مشورہ سے اصلاح معاشرہ کے لیے ایک نظام بنایا۔ پہلے مرحلہ میں دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور مبلغین پر مشتمل اصلاح معاشرہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کا ایک دفتر قائم کیا گیا اور طے کیا گیا کہ دارالعلوم کے اساتذہ کرام اہل مساجد کی طلب پر طے شدہ نظام کے مطابق مساجد میں مصلیان کے سامنے اصلاحی بیانات فرمائیں گے۔ جن میں ماحول اور حالات کے پیش نظر ضروری اصلاح طلب امور کو عنوان بنایا جائیگا۔ جہاں ضرورت ہوگی تعلیم قرآن اور تصحیح قرآن کے حلقے قائم کئے جائیں گے۔ حسب طلب درس قرآن اور درس حدیث کا نظام بنایا جائے گا۔

کام کا آغاز

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تین مرحلوں میں دیوبند اور قرب وجوار کی ۱۲۰ مساجد کے متولیان کو دعوت دی گئی، اور دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں ان حضرات کے سامنے اصلاح معاشرہ کی ضرورت اور افادیت بیان کرتے ہوئے دارالعلوم میں قائم شدہ اصلاح معاشرہ کمیٹی کے پروگرام کے بارے میں ان کو باخبر کیا گیا۔ اور حضرات متولیان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی مساجد کے ذمہ داروں سے مشورہ کرکے اصلاحی بیان، تعلیم وتصحیح قرآن بیانِ مسائل اور درس قرآن وحدیث کے لیے اپنی اپنی مساجد میں دن اور وقت کی تعیین کرکے تحریری طور پر دفتر اصلاح معاشرہ کمیٹی (احاطہ مولسری) دارالعلوم دیوبند میں اطلاع دیدیں۔

صالح معاشرے کی تشکیل میں خواتین کے کردار کوفراموش نہیں کیا جاسکتا یہ کسی سے مخفی نہیں ہے کہ ماں کی گود بچے کا سب سے پہلا مکتب ہوا کرتی ہے جب کہ یہ بھی عیاں ہے کہ بے پردگی، بے دریغ اجنبی مردوں سے اختلاط، شادی بیاہ کی رسموں پر اصرار، غیر اسلامی لباس جیسی بے شمار برائیاں مسلم خواتین میں بہت خطرناک شکل اختیار کرچکی ہیں، ایسے میں ضرورت ہے کہ اسلامی اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان میں بھی بیانات اور تعلیم کی شکلیں پیدا کی جائیں، اساتذہ دارالعلوم اس خدمت کے لیے ان شاء اللہ تیار رہیں گے۔

تمام شرکاء مجلس نے دارالعلوم کے اس اقدام کی تحسین کی اور اصلاح معاشرہ کی ضرورت کا اظہار واعتراف کرتے ہوئے اپنے عملی تعاون کا یقین دلایا۔

الحمدللہ مساجد کی طرف سے اطلاعات موصول ہونی شروع ہوگئی ہیں، اور حسب طلب مساجد میں حضرات اساتذۂ کرام کے بیانات بھی ہورہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ تمام حضرات مسئلہ کی اہمیت کو سمجھیں اور اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کوانجام دیں۔

اطراف دیوبند میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے گاؤں میں بکثرت اساتذۂ دارالعلوم کی آمد ورفت ہورہی ہے ان کے اصلاحی بیانات سے مفید اثرات مرتب ہورہے ہیں، اصلاح معاشرہ کمیٹی ضروری موضوعات پر پمفلٹ اور کتابچے بھی مفت تقسیم کررہی ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ہر گھر میں دینی رہنمائی میں معاون ہوں گے، قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ کو پڑھ کر یہ احساس ہوگا کہ شریعت ودین کا ہم سے کیا مطالبہ ہے؟ اگر گھروں میں ان کی تعلیم کا ماحول بنایا جائے گا تو مفید اثرات مرتب ہوں گے۔

نوٹ: احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں اصلاح معاشرہ کمیٹی کا دفتر روزانہ (جمعہ کے علاوہ) اس وقت صبح ۱۱ر بجے سے ۱ر بجے تک کھلا رہتا ہے، یہ وقت مدرسہ کے اوقات کے مطابق بدلتا بھی رہے گا، یہاں کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا محمد مزمل بدایونی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے کارکنان موجود رہتے ہیں، اہل شہر واطراف دفتر میں تشریف لاکر ملاقات کریں اور اپنی مساجد کے لیے نظام طے کریں۔

❁ ❁ ❁

قرآن کریم کا معجزانہ اسلوبِ بیان

(سورت حجر)

بقلم: مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارک پوری
استاذ فقہ وادب دارالعلوم دیو بند، معاون ایڈیٹر عربی ماہنامہ الداعی

قرآن کریم وہ معجزاتی کتاب ہے، جس کی ہم مثل چند آیتیں پیش کرنے سے بھی آج تک دنیا بے بس وعاجز ہے، اور نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے جو روزِ بعثت سے آج تک سارے عالم کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، ماضی میں کتنی ہی بار اس جیسی آیات پیش کرنے کی ناکام وناپاک کوشش کی گئی؛ لیکن ساری کوششیں (خَاسِئًا وَهُوَ حَسِير) کا مصداق بنیں۔ قرآن کریم پڑھتے ہوئے بہت سے الفاظ وکلمات پر آدمی رک جاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم ایجاز واعجاز دونوں صفات کی حامل کتاب ہے، تو بہت سی بدیہی باتوں کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یا بہت سے الفاظ وحروف ایسے آئے ہیں، جن کے بغیر کلام پورا ہوتا ہے اور ان کا ذکر کرنا قرآن کریم کے ایجاز واختصار کے منافی ہے۔

زیر بحث مضمون میں بہ طور مثال سورت حجر میں موجود اس طرح کے سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱-فرمان باری:

وَ مَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ.

ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لیے ایک معین وقت نوشتہ ہوتا رہا ہے۔

(وَ لَهَا كِتَابٌ) میں واو کے اضافہ کا فائدہ:

یہاں پر (وَ لَهَا كِتَابٌ) میں واو آیا ہے، حالاں کہ اس کے بغیر بھی کلام مکمل تھا، پھر اس کا کیا فائدہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ واو کے بغیر آئے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے: (وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُّنذِرِينَ) (شعراء:۲۰۸)، یہاں واو آنے کا فائدہ، موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کو موکد کرنا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: جاءنی زید علیه ثوب، و جاءنی و علیه ثوب[1]۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں:

یہاں پر واو حالیہ ہے۔ اس کے بعد ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا کہ یہ وہی واو ہے جو بتاتا ہے کہ واو کے بعد کی حالت، اس سے پہلے کی حالت ہی ہے، جیسا کہ اس فرمان باری میں ہے: (حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا) (زمر:۷۳)[2]۔

۲-فرمان باری:

وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ.

اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔

فعل (وَ لَقَدْ عَلِمْنَا) دوبارہ لانے کا فائدہ:

یہاں پر فعل (وَ لَقَدْ عَلِمْنَا) دوبار آیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

ابوالسعود نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

فعل (وَلَقَدْ عَلِمْنَا) کے مکرر لانے میں جو کمال تاکید پر دلالت ہے، وہ مخفی نہیں[3]۔

۳-فرمان باری:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ.

سو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدمؑ کو) سجدہ کیا۔

(اَجْمَعُوْنَ) کے ذریعہ دوبارہ تاکید لانے کا فائدہ:

تاکید کا مفہوم (كُلُّهُمْ) سے حاصل تھا، پھر (اَجْمَعُوْنَ) کے ذریعہ دوبارہ تاکید لانے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: خلیل اور سیبویہ نے کہا کہ (كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ) تاکید در تاکید ہے[4]۔

ابوحیان نے ابن عطیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ (اَجْمَعُوْنَ) تاکید ہے اور اس میں حال کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے قول کی طرف میلان ہے جو کہتے ہیں کہ (اَجْمَعُوْنَ) اتحادِ وقت

پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ (اَجمَعُونَ) کا مفہوم وہی ہے جو (کُلُّھُم) کا ہے[۵]۔

ابوالسعود کہتے ہیں:

(کُلُّھُم) یعنی ان میں سے کوئی نہیں چھوٹا، اور (اَجمَعُونَ) یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا اور صرف حال ہی یہ معنی نہیں دیتا؛ بلکہ تاکید بھی یہ معنی دیتی ہے؛ کیوں کہ اشتقاق واضح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جمعیت اور معیت کا معنی وضع کے اعتبار سے ہے، اور خطاب میں اصل یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی کامل ترین حالت پر اتارا جائے اور بلاشبہ ساتھ ساتھ سجدہ کرنا سجدہ کی کامل ترین نوع ہے؛ لیکن اس کا استعمال تاکید کے لیے شائع ہے اور اس کو احاطہ کا معنی دینے میں (کل) کے قائم مقام رکھا گیا ہے، اس میں کمال کو نہیں دیکھا گیا اور اگر احاطہ دوسرے الفاظ سے سمجھ میں آ جائے، تو کلام کو لغو سے بچانے کے لیے، اصل کی رعایت ناگزیر ہے[۶]۔

دوم: مبرد سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اگر یوں کہتے (فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ) تو احتمال باقی تھا کہ بعض نے سجدہ کیا ہو، جب (کُلُّھُم) کہہ دیا تو یہ احتمال زائل ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ سب نے سجدہ کیا ہے، اس کے بعد ایک اور احتمال رہ جاتا ہے وہ یہ کہ کیا سب نے یکبارگی سجدہ کیا اور ہر ایک نے الگ الگ وقت میں سجدہ کیا؟ لہٰذا جب (اَجمَعُونَ) کہہ دیا تو معلوم ہو گیا کہ یکبارگی سجدہ کیا ہے۔

علامہ زجاج نے مبرد کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا:

خلیل اور سیبویہ کا قول اس سے بہتر ہے؛ اس لیے کہ (اَجمَعُونَ) معرفہ ہے، لہٰذا حال نہیں ہوگا[۷]۔

۴-فرمان باری:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ.

بے شک خدا سے ڈرنے والے (یعنی اہلِ ایمان) باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے۔ تم ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو۔

یہاں پر بدیہیات کے دو مقام ہیں:

۱/۴-مقام اول: جنت میں ہونے کے باوجود، داخل ہونے کا حکم دینے کا فائدہ:

پہلی آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتوں اور باغات میں ہوں گے، پھر اس کے بعد (اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ) میں داخل ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہت ساری جنتوں میں ہوں گے اور جب ایک جنت سے دوسری جنت میں جانا چاہیں گے تو کہا جائے گا (اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ) [۸]۔

۲/۵-مقام دوم: (بِسَلٰمٍ) کے بعد (اٰمِنِيْنَ) لانے کا فائدہ:

(بِسَلٰمٍ) کے لفظ سے معلوم ہوگیا کہ ان کا داخلہ سلامتی و امن کے ساتھ ہوگا، پھر (اٰمِنِيْنَ) کہنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: سلامتی سے مراد جسمانی سلامتی اور امن سے مراد دوسری سلامتی ہے [۹]۔

دوم: امام رازی فرماتے ہیں:

(ادخُلُوهَا بِسَلامٍ ءَامِنِينَ) سے مراد یہ ہے کہ فی الحال تمام آفات سے سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ، اسی کے ساتھ یہ قطعی ہے کہ یہ سلامتی باقی رہے گی اور اس کے زوال سے امن ہوگا [۱۰]۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

(بِسَلٰمٍ) سے مراد فی الحال آفت سلامتی اور (اٰمِنِيْنَ) سے مراد آئندہ آفت آنے سے امن کے ساتھ داخل ہوجاؤ [۱۱]۔

سوم: (بِسَلٰمٍ) سے مراد یہ ہے کہ تم کو سلام کیا جائے گا اور یہ (اٰمِنِيْنَ) کے مفہوم سے مختلف ہے [۱۲]۔

۶-فرمان باری:

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ.

ابراہیمؑ کہنے لگے کہ کیا تم مجھ کو اس حالت پر (فرزند) کی بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا ہے سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اولاد سے بہ ظاہر استبعاد کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح، بڑھاپے میں اولاد پیدا کرنے پر اللہ کی قدرت کو بعید سمجھا؛ حالاں کہ اللہ کی قدرت کا انکار حضرت ابراہیم کی شایانِ شان نہیں؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: امام رازی فرماتے ہیں:

قاضی صاحب (باقلانی) نے فرمایا کہ اس کا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اللہ تعالی ان کو یہ اولاد، بڑھاپے کو باقی رکھتے ہوئے عطا کریں گے یا ان کو دوبارہ جوان بنادیں گے، پھراولاد عطا کریں گے اوراس سوال کی وجہ یہ ہے کہ مکمل بڑھاپے کی حالت میں عادتاً اولاد نہیں ہوتی؛ بلکہ جوانی میں ہوتی ہے(۱۳)۔

دوم: زمخشری کہتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ کیا تم مجھے بڑھاپے کے ساتھ اولاد کی بشارت سنا رہے ہو، یعنی بڑھاپے میں اولاد ہونا عادتاً عجیب وغریب بات ہے، (فَبِمَ تُبَشِّرُونَ) یہ ما استفہامیہ ہے، اس میں تعجب کا معنی آ گیا ہے، گویا وہ یہ کہہ رہے کہ تم مجھے کون سے عجوبے کی بشارت سنا رہے ہو، یا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم مجھے عادتاً غیر متصور چیز کی بشارت سنا رہے ہو، یعنی تم کسی حقیقی بات کی بشارت نہیں سنا رہے ہو، اس لیے کہ اس طرح بشارت، عدم کے درجہ میں ہے(۱۴)۔

ابن عاشور کہتے ہیں:

(علی) (مع) کے معنی میں ہے، جو بڑھاپا آنے کے ساتھ بشارت کے شدت اتصال واقتران کو بتا رہا ہے، اور آیت کا مطلب، بڑھاپے میں اولاد کی بشارت پر تعجب کرنا ہے، اوراس تعجب کو دوسرے استفہام (فَبِمَ تُبَشِّرُونَ) کے ذریعہ موکد کیا گیا ہے، انھوں نے ایک معلوم شدہ عجیب چیز کو غیر معلوم کے درجہ میں رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ یہ قریب قریب غیر معلوم چیز ہے اور حضرت ابراہیم کو بشارت کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فرشتے ہیں، لہٰذا یہ استفہام متعین طور تعجب کے لیے ہے(۱۵)۔

سوم: امام زمخشری کہتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ یہ صورت اور ذریعہ کا سوال ہو، یعنی کس صورت میں تم مجھے اولاد کی بشارت سناتے ہو، اس طرح کی بشارت کی عادتاً کوئی صورت نہیں ہے(۱۶)۔

۷-فرمان باری:

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ.

وہ (فرشتے) بولے کہ ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم مایوس نہیں تھے اس کے باوجود ممانعت کا فائدہ

یہ معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ناامید نہیں تھے، پھران کو ناامیدی سے روکنے کا کیا فائدہ ہے؟

ابوحیان نے اس کا یہ جواب دیا کہ (فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ) نہی ہے اور کسی چیز سے نہی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخاطب اس میں ملوث یا اس سے مقترن ہے اور (و من یقنط) ان کا جواب ہے اور یہ بتانا ہے کہ بشارت کے بارے میں کلام کا مطلب ناامیدی نہیں ہے؛ بلکہ یہ استبعاد کے طور پر ہے جیسا کہ عادت جاری ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے بڑی عمر میں بچہ ملنا اللہ کی رحمت ہے؛ کیوں کہ والد کو تقویت دے گا اور ان کی پشت پناہی کرے گا؛ جب کہ وہ اکیلے یہ کام نہیں کرسکتے، نیز ان کے علم و دین کا وارث ہوگا(۱۷)۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں:

(فَلَا تَكُن مّنَ القَانِطِينَ) یعنی خرقِ عادت سے مایوس نہ ہوں؛ کیوں کہ انبیاء کرام کے ہاتھوں خوارق عادت کا ظہور کثرت سے ہوتا ہے، حتی کہ ان حضرات کے لیے یہ خارق عادت نہیں مانا جاتا(۱۸)۔

۸-فرمان باری:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ.

فرمانے لگے (تو یہ بتلاؤ کہ) اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا فائدہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اولاد کی بشارت سنانے آئے تھے، تو اس سوال کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ وہ جماعت کی شکل میں آئے ہیں، جو کسی اہم بڑے کام کے لیے ہوگا؛ کیوں کہ صرف بشارت سنانے کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی تھا، چناں چہ انھوں نے پوچھا تو فرشتوں نے قوم لوط کا معاملہ ذکر کیا(۱۹)۔

۹-فرمان باری:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ.

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا۔

عطف الشیٔ علی نفسہ کا فائدہ

(وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ) کا (سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) پر عطف، عطف الشیٔ علی نفسہ کی قبیل سے

ہے، جو درست نہیں؛ اس لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے؟

اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

اول: (سَبۡعًا) سے مراد سورت فاتحہ یا طوال مفصل سورتیں ہیں اور ان کے علاوہ کو (الۡقُرۡاٰنَ) کہا گیا ہے؛ کیوں کہ قرآن کا لفظ جس طرح پورے قرآن پر بولا جاتا ہے اسی طرح بعض قرآن پر بھی بولا جاتا ہے، مثلا اللہ تعالی نے سورت یوسف کے بارے میں فرمایا: (بِمَا أَوۡحَيۡنَا إِلَيۡكَ هذا القرءان) یعنی سورت یوسف [۲۰]۔

دوم: آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو وہ چیز جس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے دی گئی اور قرآن عظیم دیا گیا، یعنی جس کے اندر یہ دونوں صفات ہیں: ثنا، یا بار بار پڑھی جانے والی اور عظمت والی [۲۱]۔

امام رازی کہتے ہیں:

صحیح جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا بعض حصہ، اس کے مجموعہ سے الگ ہے، تو اس قدر مغایرت ہی عطف کے بہتر ہونے میں کافی کیوں نہ ہو؟ واللہ اعلم [۲۲]۔

ابن عاشور کہتے ہیں:

(الۡقُرۡاٰنَ) کا (سَبۡعًا) پر عطف، عطف الکل علی الجزء کی قبیل سے ہے؛ اس کا مقصد، تعمیم ہے، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ پورے قرآن کا عطا کیا جانا، بہت بڑی نعمت ہے [۲۳]۔

۱۰-فرمان باری:

وَ اعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ.

اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

(حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ) کی قید کا فائدہ

ہر آدمی جانتا ہے کہ موت کے بعد عبادات ساقط ہوجاتی ہیں، اس کے بعد کوئی عبادت نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آنے تک عبادت کرنے کا حکم دینے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: امام رازی فرماتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ پوری زندگی اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے، زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں ہونا چاہیے، واللہ اعلم [۲۴]۔

زمخشری کہتے ہیں:

یقین یعنی موت آنے تک اپنے رب کی عبادت پر قائم ودائم رہیے،یعنی جب تک جی میں جی ہے،اس کی عبادت میں خلل نہ آئے (۲۵)۔

دوم:ابن عاشور فرماتے ہیں:

یقینی قطعی اور غیر مشکوک چیز سے مراد،وہ مدد ہے،جس کا اللہ تعالی اپنے نبی سے وعدہ فرمایا تھا(۲۶)۔لہٰذا اشکال وارد ہی نہیں۔

❁ ❁ ❁

حواشی:

(۱) زمخشری۳/۲۹۸۔
(۲) ابن عطیہ۴/۱۱۷۔
(۳) ابوسعود۴/۷۱۔
(۴) رازی۹/۳۰۵۔
(۵) ابوحیان۷/۱۹۵۔
(۶) ابوسعود۴/۷۳۔
(۷) رازی۹/۳۰۵۔
(۸) الروض الریان،ص۱۷۳۔
(۹) آلوسی۱۰/۱۸۔
(۱۰) رازی۹/۳۱۶۔
(۱۱) آلوسی۱۰/۱۸۔
(۱۲) ابوسعود۴/۸۰؛آلوسی۱۰/۱۸۔
(۱۳) رازی تفسیر آیت؛مسائل الرازی،ص۱۷۶۔
(۱۴) رازی تفسیر آیت۔
(۱۵) ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۱۶) حوالہ بالا۔
(۱۷) ابوحیان۷/۱۹۸۔
(۱۸) آلوسی۱۰/۲۸۔
(۱۹) الروض الریان،ص۱۷۷۔
(۲۰) زمخشری۳/۳۲۳۔
(۲۱) حوالہ بالا۔
(۲۲) رازی تفسیر آیت۔
(۲۳) ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۲۴) رازی تفسیر آیت۔
(۲۵) زمخشری تفسیر آیت۔
(۲۶) ابن عاشور تفسیر آیت۔

❁ ❁ ❁

اذان کی حقیقت وعظمت

عقل اور فطرت کی روشنی میں

(۲/۲)

از: مفتی رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

نبیٔ خاتم کا پیغام

ایک پالنہار اور نفع وضرر کے مالک کو دل سے مان لینے کے بعد اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنا یہی عقل کا تقاضا ہے اور یہی دنیوی زندگی کا بنیادی مقصد بھی ہے یعنی زندگی بندگی کے لیے ہے اور اس بندگی کا سب سے جامع اور اعلیٰ طریقہ ''نماز'' ہے جس کو ''الصلوٰۃ'' کہتے ہیں جس میں بہت سی تعلیمات نبوی کے اشارے موجود ہیں؛ چنانچہ اپنے خالق و مالک اور محسن حقیقی کے دربار میں کھڑے ہونے کے قابل بننا، اپنے جسم اور لباس کو پاک وصاف رکھنا، اپنے قدموں کو طریقہ نبوی کے مطابق جمانا، غیر اللہ کے خیالات کو دل ودماغ سے نکال کر پس پشت ڈال دینا، نیازمندی کے اظہار کے لیے جسم کا سب سے اونچا حصہ یعنی سر کو اسی کے سامنے جھکانا، ہر حال میں اسی کی پاکی اور بزرگی بیان کرنا، کسی بھی فرد کو اپنی ذات سے ایذا نہ دینا، آپس میں متحد و متفق رہنا، اپنے تمام اعضاء کو اسی کے منشاء کے مطابق رکھنا خصوصاً نگاہوں کی حفاظت کرنا، ظاہر و باطن سے پورے طور پر آقا کی طرف متوجہ رہنا، بلاضرورت دنیا کی طرف التفات نہ کرنا، بس اسی کے کلام کو پڑھنا اور سننا، فضول بات اور حرکت سے بچنا؛ بلکہ جائز کھانا، پینا اور خواہش نفس کو روک کر مالک کی رضا حاصل کرنا، وقت کو ضائع نہ کرنا، اپنی انگلی کے اشارہ سے بھی کسی کو برا بھلا نہ کہنا؛ بلکہ محسن

حقیقی کی وحدانیت کے لیے ہی اٹھانا،اور جسم وروح کی تمام نعمتیں جس محبوب ہستی کے صدقہ میں ملی ہیں ان کو خصوصاً عظمت سے یاد رکھنا،امن وسلامتی کی دعا میں نیک لوگوں کو بھی شامل کر لینا اور ان سب کاموں کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کر کے مولائے حقیقی سے معافی چاہنا اور جدھر رُخ کرے ادھر کے لوگوں کو سلامتی سے نوازنا اور پھر اپنی حاجتیں پیش کرنے کے لیے اسی آقا کے سامنے ہاتھ پھیلانا یہ سب پیغامات آخری رسول کی بے شمار تعلیمات کا بہت مختصر خلاصہ ہے جس کا سب سے عمدہ اور عملی نمونہ ''نماز'' ہے؛ لہٰذا بندگی کے لیے نماز لازم ہے اور نماز کی دعوت گویا کامل دستور حیات کی دعوت ہے؛ چنانچہ ''حی علی الصلاۃ'' آؤ نماز کی طرف۔کی صدا لگائی جاتی ہے۔

انجام کا علم اور یقین

اب ایک فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی مالک اور مخلوق کی تمام ضرورتوں کا جاننے والا اور انسان کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی قدرت رکھنے والے کو مان کر اس کے بھیجے ہوئے دستورحیات پر جب کوئی اپنی زندگی کو بنائے اور سجائے گا یعنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرے گا تو اسے کیا صلہ (بدلہ) ملے گا؟ تو اس چیز کو بھی اللہ کے آخری رسول اور انس وجن دونوں کے نبی نے بتا دیا ہے؛ کیونکہ انجام سے بے خبر رہ کر محنت کرنا اور اپنی جان ومال کی بازی لگانا مشکل ہے اور چونکہ محنت پوری دنیوی زندگی کو خالق کی مرضی پر کھپانا ہے؛اس لیے بدلہ بھی ایسا ہو کہ اس سے زیادہ اور بڑا کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہے ہمیشہ کے عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کی زندگی،راحت،صحت،جوانی اور خواہشات کا پانا ہے جس کا محل جنت ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ایسی کامیابی کو عربی میں ''الفلاح'' کہتے ہیں اور کامیابی کا یقین آدمی کو عمل پر ابھارتا ہے؛ اس لیے حی علی الصلاۃ کے بعد ''حی علی الفلاح'' آؤ کامیابی کی طرف! کی ندا بھی لگائی جاتی ہے۔

اور جس طرح موت یقینی ہے کہ آج تک کوئی اس کا انکار نہیں کر سکا اسی طرح مرنے (کے ایک مدت) کے بعد دوسری زندگی کا ملنا بھی ضروری اور یقینی ہے اور دنیا کی اکثر قومیں اسے مانتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض قومیں یہ کہتی ہیں کہ اسی دنیا میں دوسری زندگی مل جاتی ہے جب کہ دوسری قوموں کا یہ عقیدہ ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسرے عالم میں دوسری زندگی ملے گی یعنی اچھے اور برے کام کا انجام اور نتیجہ پانے کے لیے جیسے دوسری زندگی ضروری ہے (کیونکہ پہلی اور دنیوی زندگی میں جو کہ محنت اور عمل کے لیے ہے بدلہ نہیں دیا جا سکتا کہ اس میں پورے بدلہ کی

صلاحیت اور وسعت نہیں ہے) ایسے ہی محل نتیجہ کے لیے بھی دوسرا عالم ضرور ہوگا؛ اس لیے کہ یہ دنیا عمل ومحنت کا مقام ہے اور محنت وعمل کی جگہ کو جزا وسزا سے بدل دینا عقل سلیم اور عقلائے زمانہ کے دستور کے خلاف ہے۔

توحید پر استقامت

بہر حال مرنے کے بعد کی دوسری دائمی زندگی کے لیے ''حی علی الفلاح'' میں جو کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے اسے پانے کے لیے ہر فرد انسان کا اللہ کی وحدانیت کے اقرار وتسلیم پر موت تک قائم رہنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ دنیا میں پیدائش سے موت تک یہی پہلی اور عملی زندگی ہے اور اسی زندگی کو ابتدائے جوانی سے موت تک صحیح عقیدہ اور اچھے عمل سے وابستہ رکھنا لازم ہے اور یہ بات عقلاء وحکماء تسلیم کرتے ہیں کہ کسی چیز کی ابتداء کے مقابلہ میں اس کے خاتمہ کا زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا آخرت یعنی دوسری زندگی میں فلاح پانے کے لیے دنیا سے انتقال اس حال میں ہونا چاہیے کہ دل میں ایمان یعنی خالق اور نفع وضرر کے مالک کی وحدانیت کا یقین بہر حال موجود ہو، خدانخواستہ اگر ابتدائے زندگی میں اللہ کو ایک مانا تھا اور موت سے پہلے پہلے وحدانیت کا منکر ہوگیا تو ہمیشہ کے لیے اس کا بیڑا غرق ہوگیا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حی علی الفلاح کے بعد ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، لا الٰہ الا اللّٰہ'' کی پھر صداء لگائی جاتی ہے؛ تاکہ زندگی کی صبح توحید کے ساتھ قائم ہوئی ہے تو شامِ زندگی بھی توحید پر ہونی چاہیے، پس دیکھیے اذان کس قدر عقل وفطرت کی جامع پکار اور کامل دعوت ہے۔

اذان فطرت کی آواز اور سعادت کا ذریعہ

یہ ہیں وہ حقائق اور خوبیاں جو اذان کے الفاظ میں پوشیدہ ہیں یہ مخصوص الفاظ دنیائے انسانیت کی ضمیر کی آواز ہے جو غافل کانوں کو دستک دیتی ہے اور دلوں تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے یہ صرف مسلمانوں کے لیے نماز کی اطلاع نہیں ہے؛ بلکہ سارے انسان کو ابدی نفع پہونچانے اور دائمی نقصان سے بچانے کے لیے دنیا کے قائم رہنے تک خالق ومالک نے سب کو سنانے کا ایک خاص نظام بنایا ہے؛ تاکہ غفلت کی شکار ہر قوم وملت اس سے اپنے ابدی پیغام اور دائمی نجات کا تحفہ (سندیش) حاصل کرے۔ ان الفاظ کو مسلمان ''اذان'' کہتے ہیں یہ اذان دین اسلام کا ایک شعار ہے؛ لیکن اس

کی فطری حقیقت جیسی ہے وہ پوری انسانیت کے لیے فائدہ مند ہے شرط یہ ہے کہ اس کی قدر کی جائے۔ اس کی سچی قدردانی یہی ہے کہ اذان کی حقیقتوں کو دل سے تسلیم کر کے صحیح زندگی گذارنے کا عزم کرے اور ایسے طریقہ سے جو انسانیت اور مقصد پیدائش سے دور ہو اس سے نکل آئے پس جو کوئی بھی اس اذان کی قدر اور عظمت کرے گا وہ سعادت پائے گا اور کامیاب ہوگا اور جو اس کی مخالفت کرے گا تو آسمان وزمین کو تھامنے والا اور سب سے بڑی قدرت والا ہے اس سے ڈرتا رہے کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

اذان کا خصوصی امتیاز

یہ اذان چونکہ دین اسلام کا خاص شعار ہے، شعار کہتے ہیں کسی بھی مذہب کی خاص علامت اور نشانی کو اور شعار میں ایسے لوگوں کی مشابہت سے بچنا مطلوب ہے جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہوں؛ اس لیے اذان میں بھی اس پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ اذان کی ابتداء کی تاریخ میں صاف صاف موجود ہے۔

چنانچہ پنجوقتہ نماز باجماعت کی آگاہی اور طریقۂ اطلاع مقرر کرنے کے لیے جب مشورہ ہوا تو کسی صحابی نے رائے دی کہ آگ روشن کی جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ قرن (نرسنگا) کے ذریعہ آواز بلند کی جائے، کسی اور صحابی نے رائے دی کہ ناقوس (نقارہ) بجایا جائے، حضور ﷺ نے دین حق کی امتیازی شان کو مد نظر رکھتے ہوئے ان تمام تجاویز کو قبول نہیں فرمایا کہ اس میں مجوس یا یہود یا نصاری سے مشابہت پائی جاتی ہے اور بغیر کسی حتمی فیصلہ کے مجلس برخواست ہوگئی؛ البتہ عارضی طور پر یہ طے کیا گیا کہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ''**الصلاۃ جامعة**'' کی صدا لگائی جائے!

بالآخر چند روز کے بعد ایک صحابی کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ وہ کلمات سکھلائے گئے جو فطری حقائق پر مشتمل اور امتیازی شان کے حامل ہیں حضور ﷺ نے ان کا خواب سن کر تصدیق فرمائی کہ یہ حق ہے یعنی اللہ کی طرف سے ہے پھر نماز کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے انہی کلمات کو ہمیشہ کے لیے جاری فرمایا، پس دین اسلام جس طرح برحق اور امتیازی شان رکھتا ہے اسی طرح اذان بھی حق اور فطرت کی آواز ہونے کی وجہ سے خصوصی امتیاز کا حامل ہے۔

اذان کی تاثیر اور فوائد

اس اذان کے عام فوائد بھی بہت ہیں، پریشانی میں دلوں سے غم دور ہوتا ہے، آفتیں اور بلائیں

ٹل جاتی ہیں،لوگوں کی جان اور مال محفوظ ہوجاتے ہیں ؛ بلکہ زندگی کی قسمت بدل جاتی ہے گویا اذان کا وجود ایک طرح ’’ہُما‘‘ (پرندہ) ہے جس کے سایہ میں آنا ہرانسان پسند کرتا ہےاوراذان کا نہ ہونا ایک طرح کا ’’بوم‘‘ (پرندہ) ہےجس کو ہرانسان منحوس سمجھتا ہے،شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گر ہما از جہاں شود معدوم — کس نیاید زیر سایہ بوم

ایک مرتبہ حضرت علیؓ غمگین تھے حضورﷺ نے فرمایا کیا میں تمہارا غم دور نہ کروں؟ چنانچہ ایک شخص سے کہا کہ علی کے کان میں اذان دو؛ چنانچہ انہوں نے اذان دی تو حضرت علی کا غم دور ہوگیا اور حضرت ابومحذورہ بچپن میں اذان کی نقل اتارر ہے تھے حضورﷺ نے ان کو بلایا اوران سے کہا کہ پھر سے اذان کہو بس یہی اذان ان کے دین حق کو قبول کرنے کا ذریعہ بن گئی۔

اور دنیا میں زندگی گذارتے ہوئے انسان کبھی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے کہ جان ومال سے ہاتھ دھونا پڑتا ہےاذان سے اللہ تعالیٰ ایسی مصیبتیں بھی دور فرمادیتے ہیں،سفر نامہ ’’ابن بطوطہ‘‘ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ بحر اٹلانٹک میں ایک مرتبہ طوفان کی وجہ سے عربوں کا ایک جہاز ٹوٹ گیا،سمندر کی موجوں نے اسے برباد کردیا؛ مگراللہ تعالیٰ نے ایک عرب کو جزیرہ کی طرف پہونچا دیا وہ آبادی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ پوری بستی غیر مسلموں سے آباد ہے ایک غریب کے جھونپڑے میں فروکش ہوئے کچھ مدت کے بعد گھر والے غمگین اور شکستہ دل تھے،عرب مہمان نے اپنے محسن مالکِ مکان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں ہرسال سمندر سے ایک بلا آتی ہےاوربستی کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اس بلا کو ٹالنے کے لیے ایک رسم ادا کی جاتی ہے کہ پوری بستی میں سے ایک حسین و جمیل لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے سمندر کے کنارے ایک مندر میں رات میں چھوڑ آتے ہیں لڑکی بلا کی بھینٹ چڑھ جاتی ہےاور بلا دور ہوجاتی ہے؛ مگر دوسرے دن وہ لڑکی مردہ ہوتی ہے اگرایسا نہ کیا جائے تو ساری بستی والے کی جانوں کو خطرہ ہوتا ہےاس سال میری لڑکی کی باری ہےاس لیے فکر وغم لاحق ہے مسلم عرب نے کہا گھبراؤ نہیں اس کی جگہ پر مجھے بنا سنوار کر بھیج دو؛ چنانچہ گھر والوں نے ایسا ہی کیا اور مندر میں چھوڑ آئے اور وہ باہمت عرب قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہوگئے پھر جب رات کو سمندر کی طرف سے ایک بلا جہاز کی شکل میں ساحل کی طرف آرہی تھی مسلم عرب نے بلا دیکھتے ہی اذان کہنی شروع کی، **اشهد ان محمداً رسول الله** پر پہنچتے ہی بلا لوٹ گئی صبح وہ عرب صحیح سلامت گھر واپس آگئے ملک میں چرچا ہونے لگا اور سب حیران اور متأثر تھے؛ یہاں تک کہ بادشاہ وقت تک یہ خبر پہنچ گئی دوسرے سال پھراسی طرح کیا گیا کہ اس مسلم عرب مہمان کو آراستہ کر کے مندر

میں چھوڑ آئے رات میں بلا آئی اور مسلم مہمان نے اذان کہنی شروع کی اور **اشھد ان لا اللہ الا اللہ** پر ہی بلا واپس ہوگئی لوگوں کا تاثر بڑھ گیا بادشاہ نے ابھی بھی احتیاط سے کام لیا تیسرے سال پھر اسی طرح کیا گیا بلا آنے پر مسلم عرب نے جیسے اذان شروع کی اور ''**اللہ اکبر اللہ اکبر**'' کہا تو وہ بلا ہمیشہ کے لیے غائب ہوگئی؛ چنانچہ بادشاہ اپنے وزیر سمیت اسلام سے مشرف ہوا اور اس کی وجہ سے ساری رعایا بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ (عرب ہند کے تعلقات ۱۷۴)

اذان کے خاص فوائد ونتائج

شروع سے اب تک تفصیلی کلام سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ اذان کس قدر حقائق اور حیرت انگیز فوائد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ان میں سے بعض سے تو انسان اسی دنیا میں فائدہ اٹھاتا ہے اور بعض فوائد ایسے بھی ہے جو بطور نتائج دوسری زندگی یعنی آخرت میں حاصل ہوں گے، ان فوائد کو اسی آخری نبی محمد ﷺ کے مبارک کلام کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) اذان دئے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمان آباد ہیں اور وہ علاقہ فوج کشی سے محفوظ رہتا ہے۔

(۲) اذان نبوی مشن کا ایک اہم جز ہے؛ کیونکہ نبی کا کام لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہے اور اذان بھی دعوت ہے۔

(۳) اذان سے انسان کا اصلی دشمن شیطان دور بھاگتا ہے؛ کیونکہ اذان کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے اور ایسی عبادت جس کا نفع دوسروں کو پہنچے شیطان پر بھاری ہوتی ہے۔

(۴) اذان دینے والے شخص کی گردن اور لوگوں کے مقابلہ میں قیامت کے دن لمبی ہوگی۔

(۵) اذان دینے والے کے لیے بخشش کی جائے گی اور مؤذن کے حق میں ہر خشک وتر چیز قیامت کے دن گواہی دے گی۔

(۶) جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے جنات، انسان اور دوسری مخلوق جو اذان کی آواز سنتی ہے وہ سب گواہی دیں گے۔

(۷) سات سال تک (ایک روایت میں بارہ سال) رضائے الٰہی کے لیے اذان دینے پر جہنم سے آزادی کا پروانہ نصیب ہوتا ہے۔

(۸) اخلاص سے اذان دینا (اور نماز کا اہتمام کرنا) گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کا ذریعہ ہے۔

(۹)اذان کا جواب دینے سے جواب دینے والے کے لیے بھی جنت کا وعدہ ہے۔

(۱۰)اذان کے بعد یا اذان واقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے رد نہیں ہوتی۔

اذان سے متعلق قدر کرنے والوں کے متعدد واقعات تاریخ کی کتابوں میں مل سکتے ہیں، یہاں صرف ایک واقعہ ذکر کرکے مضمون ختم کیا جاتا ہے، غالباً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانہ میں دہلی کا ہے کہ ایک عورت کے مرنے کا جب وقت آیا تو اس کی زبان سے ایک عجیب جملہ نکل رہا تھا گھر والوں کو نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ رہی ہے پھر کسی عالم کو بلاکر اس عورت کے بول سنائے گئے تو اس عالم دین نے فرمایا کہ عورت کہہ رہی ہے کہ مجھے ''**فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**'' (ترجمہ: اب میرے بندوں میں داخل ہوجاؤ اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ!) کی آواز دی جارہی ہے اس کے بعد عورت کا انتقال ہوگیا، دفن کے بعد جب گھر والوں سے تحقیق کی گئی تو بتایا گیا کہ وہ نہ نماز پڑھتی اور نہ تلاوت وغیرہ کرتی تھی؛ البتہ جب بھی اذان ہوتی تو گھر والوں کو زبردستی خاموش کرتی تھی اور اذان کے معاملہ میں اس کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ ڈانٹ ڈانٹ کر خاموش کیا کرتی تھی، اس عالم ربانی نے کہا بس یہ اذان کے دل سے احترام کا صلہ ہے کہ مرنے سے پہلے اسے جنت کی بشارت مل گئی۔ فقط

❁ ❁ ❁

علمی مجالس

افادات: بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم
محدث دارالعلوم دیوبند

مرتب: مولوی محمد شعیب علی گڑھی

کیا صحابہ میں بعض منافق بھی تھے؟

سوال: قرآن کریم کے بیان کے مطابق عہدِ نبوی میں منافقین کا بھی ایک گروہ تھا، جو مسلمانوں ہی میں گھلا ملا رہتا تھا، ایسی صورت حال میں تمام صحابہ ہمارے لیے معیارِ حق کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام صحابہ معیارِ حق ہیں، ہمیں دین انھیں کے واسطے سے ملا ہے؛ اس لیے ان کے صدق وعدالت میں ادنیٰ شبہ بھی ایمان کے لیے خطرہ ہے، جس سے حد درجہ احتیاط لازم ہے۔

رہا مسئلہ منافقین کا، تو قرآن کریم کی صراحت کے مطابق عہدِ نبوی میں منافقوں کا ایک گروہ ضرور موجود تھا، جو اسلام مخالف سازشوں میں پیش پیش رہا کرتا تھا؛ لیکن قرآن کی پیشین گوئیوں کے مطابق، وہ اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح نامراد ہوا، اس کا نفاق ظاہر کرکے اسے رسوا کیا گیا اور لعنت وملامت کا طوق گردن میں لیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات ہی وہ اپنے انجامِ بد کو پہنچا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق ایسی واضح آیات نازل فرمائیں، جن سے منافقین و مخلصین کے درمیان واضح فرق قائم ہوگیا اور بعد میں آنے والے کسی مسلمان کے لیے فدایان رسول اور دشمنان رسول میں تمیز دشوار نہ رہی، ذیل میں چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔

ارشاد باری ہے: وممن حولکم من الأعراب منافقون الآیة (سورۃ توبہ:۱۰۱)

ترجمہ: بعض بدوی لوگ، جو شہر مدینہ کے آس پاس رہتے ہیں وہ منافق ہیں اور کچھ مدینہ والوں

میں سے بھی، یہ لوگ نفاق پر سخت ہیں، اے نبی! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھراس کے بعد وہ ایک دردناک عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت سے درج ذیل امور دریافت ہوئے۔

(۱) منافقین یا تو مدینہ کے آس پاس والی بستیوں کے باشندے تھے، یا کچھ مدینہ کے رہنے والے تھے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ کسی کو منافق کہنے سے قبل یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کس جگہ کا باشندہ ہے؟ جب تک اس کا اہل مدینہ یا مدینہ کے قرب وجوار کے اعراب میں سے ہونا نہ پتہ چلے، اسے نفاق کی تہمت نہیں دی جاسکتی، کسی مکی، یمنی، نجاشی، حبشی صحابی پر تہمت لگانے کی کسی صورت میں گنجائش نہیں، مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں: کہ منافقوں کو خدا نے دو قسموں میں منحصر کردیا: ایک وہ بدوی لوگ، جو مدینہ منورہ کے آس پاس کی بستیوں میں رہتے تھے، دوسرے خاص مدینہ کے رہنے والے، تو ان کو سب کو منافق نہیں فرمایا؛ بلکہ ان میں بعض کو، معلوم ہوا کہ مہاجرین میں سے کوئی بھی منافق نہ تھا؛ لہٰذا مہاجرین پر نفاق کا شبہ کرنا اس آیت کی خلاف ورزی کرنا ہے؛ بلکہ سچ پوچھو تو اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔ (آیات خلافت وامامت ص:۱۹۳، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ)

قاضی سیّد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں: اس اخبارِ غیب میں مصلحت یہ تھی کہ ازمنۂ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحابِ کرام کو تہمتِ نفاق نہ دے سکے، پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندۂ مدینہ ہو، کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑسکتا۔ (بہ حوالہ رحمۃ للعالمین، ج:۳، ص:۳۰۸، مطبوعہ: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی)

معلوم ہوا کہ کسی مہاجر صحابی پر نفاق کی تہمت لگانا درپردہ اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

(۲) آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ منافقوں کو تین عذاب ہونے ضروری ہیں، دو دنیا میں اور تیسرا عذابِ الیم، جو آخرت میں ہوگا، دنیوی دو عذابوں کے متعلق مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ منافقین کا نفاق ظاہر کرکے ان کو رسوا کیا جائے گا، ان کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں طشت از بام ہوجائیں گی، پوری قوم کی نظروں میں وہ غدار ثابت ہوں گے اور ان کا دجل وفریب کھل جائے گا، عذاب کی یہ قسم انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے، ایسا آدمی اپنا منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتا، اس کا ضمیر اسے ہر دم ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے۔ دوسرا دنیوی عذاب یہ ہوگا کہ جس مال واولاد کی محبت میں انھوں نے منافقت کا راستہ اپنایا اور جھوٹے عذر پیش کرکے جہاد سے جان چرائی وہ مال ومتاع بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا، یا پھر اس دوسرے عذاب کا

تعلق قبر سے ہے کہ دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔

اس آیت کی رو سے کسی صحابی پر نفاق کا الزام لگانے سے قبل یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اگر وہ منافق تھا، تو کیا وہ قرآن کے بیان کردہ ان دو عذابوں میں مبتلا ہوا؟

دوسری آیت لئن لم ینتہ المنافقون الآیۃ (سورۂ احزاب:۶۱-۶۲)

ترجمہ: اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں وحشت انگیز افواہیں اڑانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے یعنی انھوں نے نفاق سے توبہ نہ کی، تو اے نبی! ہم ضرور آپ کو ان پر برانگیختہ کردیں گے اور پھر وہ آپ کے پڑوس یعنی مدینہ میں، تھوڑے دنوں کے سوا نہ رہ سکیں گے، ان پر لعنت ہوگی اور وہ جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے، یہ اللہ کا ابدی قانون رہا ہے، ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے اور آپ اللہ کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

یہ آیت منافقین اور مخلصین کے درمیان ایسا واضح امتیاز قائم کردیتی ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی پر تہمتِ نفاق کی کسی صورت گنجائش نہیں رہتی، اس آیت کی رو سے، جو لوگ نفاق کی روش نہیں چھوڑیں گے، دنیا ہی میں وہ حسب ذیل سزاؤں میں مبتلا ہوں گے۔

۱- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف جہاد کا حکم ملے گا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب آجائیں گے۔

۲- منافقین مدینہ میں تھوڑے دنوں سے زیادہ نہ رہ سکیں گے اور یہ تھوڑے دن حیات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ختم ہونے ضروری ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا پڑوسی ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

۳- ان پر ہر طرف سے لعنت و پھٹکار ہوگی۔

۴- مدینہ سے بھاگ کر جہاں جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کیے جائیں گے۔

۵- منافقوں کو یہ سزا ملنا اللہ تعالیٰ کا وہ ابدی قانون ہے جو اگلے زمانوں میں بھی رہا ہے۔

سورۂ تحریم کی آیت نمبر۹: یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ احزاب میں لنغرینك بھم میں جو وعید سنائی گئی تھی وہ پوری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا؛ لیکن یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے ساتھ کوئی جہاد کیا ہو؛ اس لیے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کچھ منافقین اپنے نفاق سے باز آگئے اور کچھ اپنی موت مرکر اپنے انجام بد کو پہنچ گئے؛ اسی لیے جہاد کی نوبت نہ آئی اور یہ واقعات کے مطابق

بھی ہے، بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہ قرآن کریم کے ارشاد: قاتلو أئمة الکفر کا مصداق جو لوگ تھے ان میں سے اب صرف تین باقی رہ گئے اور منافقین میں صرف چار رہ گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر، حدیث:۴۶۵۸)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منافقین عہدِ نبوی میں ہی نابود ہو گئے تھے اور جن چار کے متعلق حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: وہ بھی اس وقت منافق نہ تھے، جس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں؛ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ پہلے منافق تھے، اب تو وہ توبہ کر چکے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ کفر کے مصداق میں حضرت ابوسفیان کا نام بھی آتا ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد کے وقت وہ مخلص مسلمان تھے، معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہی تھی کہ یہ لوگ پہلے ائمہ کفر یا منافق رہے ہیں، اب تو وہ توبہ کر کے مخلص مسلمان ہو چکے ہیں، علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: وكذلك أيضا قوله: انه لم يبق من المنافقين الا أربعة، فلا شك عند أحد من الناس أن أولئك الأربعة كانوا يظهرون الاسلام، وأنه لا يعلم غيب القلوب الا الله تعالى، فهم ممن أظهر التوبة بيقين لا شك فيه. (المحلی بالآثار: ۱۲/۱۶۱، مسئلہ:۲۲۰۳، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ)

ان صراحتوں کے بعد یہ بات دن کی روشنی کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ: مسلمانوں نے جس مقدس گروہ کو صحابہ کرام کی فہرست میں شامل مانا ہے اور جن کے واسطے دین کا سارا اثاثہ ہم تک پہنچا ہے، ان میں کوئی منافق نہ تھا، دین کا ایک حرف بھی کسی منافق کی روایت سے آلودہ نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دین کو نقل کرنے والی پوری جماعت نفاق کی تہمت سے ایسے ہی بری ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بھیڑیے۔

التحبیر شرح التحریر میں ہے: الثانية: قال الحافظ المزيؒ: من الفوائد أنه لم يوجد قط رواية عمن لمز بالنفاق من الصحابة رضى الله عنهم.

الثالثة: من فوائد القول بعدالتهم مطلقا اذا قيل: عن رجل من الصحابة: ان النبى ﷺ قال: كذا، كتعيينه باسمه لاستواء الكل فى العدالت. (التحبیر شرح التحریر، ج:۴، ص:۱۹۵۵)

ایسے کسی شخص سے کوئی روایت مروی نہیں ہے، جس پر نفاق کی تہمت لگی ہو۔

صحابہ کو مطلقاً عادل ماننے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ ”صحابہ میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا“ تو یہ کہنا اس شخص کو اس کے نام کے ساتھ متعین کرنے کی طرح ہوگا؛ کیوں کہ تمام صحابہ عدالت میں برابر ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: والصحابة المذكورون فی الرواية عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم والذين يعظهم المسلمون على الدين كلهم كانوا مؤمنين به، ولم يعظم المسلمون، وللّٰه الحمد، على الدين منافقا. (منہاج السنۃ:۸/۴۷۴)

جو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے ہیں اور جن کی مسلمان دین کے بارے میں تعظیم کرتے ہیں سب کے سب مومن ومخلص تھے الحمدللہ مسلمانوں نے دین کے معاملہ میں کسی منافق کی تعظیم نہیں کی۔

جو لوگ صحابۂ کرام کے متعلق بدگمانیاں رکھتے ہیں ان میں نفاق کے کیڑے تلاش کرتے ہیں، انھیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

غرض صحابۂ کرام نفاق کی تہمت سے منزہ ہیں، ان سے بغض درحقیقت خدا اور رسول سے بغض ہے، ایک کامل ایمان والے سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ صحابہ کے متعلق اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی رکھتا ہو۔

کیا حضرت ابوہریرہؓ حدیث چھپاتے تھے؟

سوال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (علم کے) دو برتن محفوظ کیے: ایک تو میں نے تم لوگوں میں پھیلا دیا، اگر دوسرے کو پھیلاؤں، تو یہ گردن کاٹ دی جائے گی، حضرت ابوہریرہؓ کے اس بیان سے کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت ابوہریرہؓ اپنی جان بچانے کے لیے دین کی باتیں چھپالیا کرتے تھے؟

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین صحابہ میں سے ہیں، یعنی آپ ان صحابہ میں سرفہرست ہیں جنھوں نے کثرت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل فرمائی ہیں، ان کے متعلق یہ بدگمانی کہ: وہ -نعوذ باللہ- دین کی باتوں کو چھپاتے تھے، انتہائی جہالت کی بات ہے؛ اس لیے کہ کتمانِ علم سے بچنے کے جذبے نے ہی حضرت ابوہریرہؓ کو کثرت احادیث روایت کرنے پر آمادہ کیا تھا؛ چناں چہ بخاری میں روایت موجود ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں؛ حالاں کہ اگر اللہ کی کتاب میں دو آیات نہ ہوتیں، تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى من بعد ما بيناه للناس فی الكتاب أولئك يلعنهم اللّٰه ويلعنهم اللعنون الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا فأولئك اتوب عليهم وانا التواب الرحيم. (بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم، حدیث:۱۱۸)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آیت میں مذکورہ وعید سے بچنے کے لیے، دین کی کوئی ایسی بات بیان کرنے سے ہرگز گریز نہ کیا، جس کا بتلانا ضروری ہو اوراس کا نہ بتانا کتمانِ علم کے تحت آتا ہو؛ کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کواس آیت کا مکمل استحضار تھا، جس میں دین کی بات چھپانے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے؛ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ دین کی کوئی ایسی بات چھپالیں، جس کا بتلانا فرض ہو۔

رہی وہ حدیث، جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلے محفوظ کیے ہیں، ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرے کو پھیلا دوں، تو میری گردن کاٹ دی جائے:

ان دو تھیلوں میں سے پہلا تھیلا تو دین کے وہ واضح احکام ہیں، جو البینات والھدی کی قبیل سے ہیں، جن کی تبلیغ ضروری ہے اور دوسرے تھیلے سے مراد فتنوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیشین گوئیاں ہیں، جو البینات والھدی کی قبیل سے نہیں ہیں، جن کی تبلیغ فرض نہ تھی؛ چناں چہ حضرت ابوہریرہؓ نے پہلے علم کی تبلیغ میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی اور سب کچھ بیان کرڈالا؛ لیکن دوسرے علم کا جو کہ فتنوں کے متعلق تھا، اسے چھپانا ہی مصلحت جانا اور اسے بیان نہیں کیا۔

اور یہ اس لیے تھا کہ ہر بات بتلانے کی نہیں ہوتی، بہت سی باتوں کے اخفا ہی میں مصلحت ہوتی ہے، اظہار کرنے میں خرابی یا فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس نوع کی باتوں کا چھپانا نہ صرف یہ کہ مقتضائے مصلحت ہے؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی یہی ہے، حضرت ابوہریرہ ہی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارکین مجھے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ: میری یہ جوتیاں لے جاؤ اوراس باغ کے ادھر جو بھی ایسا شخص ملے، جو دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اسے تم جنت کی خوشخبری سنادو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، انھوں نے پوچھا، ابوہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین ہیں، آپ نے مجھے یہ جوتے لے کر بھیجا ہے، کہ میں جو بھی ایسا شخص پاؤں، جو دل کے یقین کے ساتھ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دیتا ہو، تو میں اسے جنت کی خوشخبری سنادوں، حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ اس زور سے مارا کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور حضرت عمرؓ نے کہا: کہ ابوہریرہ واپس جاؤ، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹا اور زور سے رو پڑا، حضرت عمرؓ بھی میرے ساتھ چلے، وہ میرے پیچھے ہی تھے، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوہریرہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا، مجھے عمر ملے، میں نے ان کو وہی

حدیث سنائی، جو آپ نے مجھے لے کر بھیجا تھا، تو عمر نے میرے سینے پر اس زور سے مارا کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور مجھ سے یہ کہا کہ واپس لوٹ جاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: عمر! تمھیں ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنے نعلین لے کر بھیجا کہ وہ جس شخص کو بھی پائیں، جو دل کے یقین کے ساتھ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دیتا ہو، اسے جنت کی بشارت سنا دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا نہ کیجیے؛ اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ اسی پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائیں، یعنی اعمال ترک کردیں؛ لہٰذا آپ لوگوں کو چھوڑ دیجیے کہ وہ اعمال میں لگے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پھر انھیں چھوڑ دو، یعنی یہ حدیث لوگوں سے بیان نہ کرو۔ (مسلم شریف حدیث:۳۱)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ساری باتیں بیان کرنے کی نہیں ہوتیں، کچھ باتیں مصلحتاً مخفی بھی رکھی جاتی ہیں اور یہ کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ ان احادیث کو کھلے عام بیان کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جن کا ظاہر حاکمِ وقت کے خلاف خروج کے جواز پر دلالت کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے لوگوں کے سامنے صفاتِ باری سے متعلق (متشابہ) احادیث بیان کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے ایسی احادیث لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا، جن کا مضمون عجائب وغرائب پر مشتمل ہو، جو لوگوں کے فہم سے بالاتر ہو۔ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت انسؓ کے حجاج کے سامنے عرنین کا قصہ بیان کرنے پر انکار فرمایا؛ کیوں کہ اس نے اس قصہ کو اپنی باطل توجیہ کے ذریعہ بے دریغ خوں ریزی کی حجت بنالیا تھا۔ (فتح الباری، ج:۱، ص:۳۰۰ کتاب العلم حدیث:۱۲۷، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کتاب العلم)

مذکورہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں انصاف سے فرمائیے کہ جو لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر احادیثِ فتن نہ بیان کرنے کی وجہ سے طعن کرتے ہیں، کیا وہ نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی طعن کریں گے، کہ آپ نے بھی لوگوں سے بعض باتیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے؟ اگر یہ الزام حضرت ابوہریرہؓ پر عائد ہوتا ہے، تو پھر کیا یہی الزام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ

❁ ❁ ❁

اہل بیت وآل محمد ﷺ : ایک تحقیقی مطالعہ

از: پروفیسر محمد سلیم قاسمی
ڈین دینیات فیکلٹی وصدر شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

حضور ﷺ سے محبت ایمان کا جزء ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ:۲۴) (آپ کہہ دیجیے اے لوگو! اگر تمہیں تمہارے آباء، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور خاندان اور مال جو تم نے کما کے جمع کیا ہے اور تمہاری تجارت جسے تم کساد بازاری سے بچاتے ہو اور تمہارے عمدہ گھر اگر اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو تم انتظار کرو اللہ کے فیصلہ کا، یہ سمجھ لو کہ اللہ کسی فاسق کو ہدایت نہیں دیتا)۔

اسی طرح سورہ احزاب میں فرمایا گیا: النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (احزاب:۶) (پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں)۔

آیات کی تشریح میں آپ نے فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب إلیه من والده وولده والناس اجمعین (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان) (کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ ''میں'' اس کے والدین، اولاد اور دوسرے تمام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں)۔

دوسری صحیح حدیث میں ہے: ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان، من کان الله ورسوله احب إلیه مما سواهما (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان) (جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اللہ

اوراس کے رسول سے ہر ایک رشتہ اور چیز سے زیادہ محبت کرے)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے محبوب (بلکہ اعظم محبوب من الخلق) ہیں اور ظاہر سی بات ہے جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کے محبوب سے بھی محبت کرے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول مومنوں کے سب سے بڑے ہمدرد اور مشفق ہیں۔ان پر مومنوں کی تکلیف نہایت گراں گذرتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ:۱۲۸) (تمہارے پاس تمہیں میں سے ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری تکلیف نہایت شاق گذرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں اور نہایت شفقت والے اور رحم والے ہیں ایمان والوں پر)۔

آپ ﷺ کی شفقت کی انتہاء یہ ہے کہ نماز میں اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آپ سن لیتے تو نماز ہلکی کردیتے، صحیح بخاری میں ہے: اذا سمع البکاء یخفف من صلاته رأفة وشفقة علی قلب امه به (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من أخف الصلوٰۃ عند بكاء الصبی) (جب آپ نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو آپ نماز مختصر کردیتے، اس وجہ سے کہ کہیں بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں پریشان نہ ہوجائے)۔

نہ معلوم کتنی مرتبہ آپ نے فرمایا: لولا ان أشق علی أمتی لامرتهم.... (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب السواك، ابن حبان، باب مواقیت الصلوٰۃ، دارمی، باب ینزل اللّٰہ الی السماء الدنیا) (اگر مجھے امت پر تنگی کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ اور یہ حکم دیتا، مگر امت کا خیال رکھتے ہوئے وہ حکم نہیں سنایا کہ کہیں وہ حکم ان پر گراں نہ گذرے)۔

ایسے مشفق اور سراپا رحمت رسول سے اللہ بھی محبت کرتا ہے، اس کے فرشتے ان کے لیے علو مرتبت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں؛ لہٰذا مومنین کو حکم دیا کہ وہ بھی اللہ سے رحمت کی دعا کریں، ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (احزاب:۵۶)۔ بیشک اللہ اپنی رحمتیں بھیجتا ہے نبی پر اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں ان کے لیے اور اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلاۃ (درود) وسلام بھیجو۔

مؤمنین کا حضور پر صلاۃ (درود) بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے درخواست کریں کہ اللہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی اور ان کی ازواج وذریات پر نازل فرماتا رہے۔اس لیے کہ حضور کے احسانات کا بدلہ چکانا کسی کے بس کی بات نہیں۔حضور کا احسان صرف یہ نہیں کہ انھوں نے

دین کو آسان صورت میں پیش کیا؛ بلکہ ان کا احسان تمام انسانیت پر ہے، انھوں نے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر چلنا سکھایا، جہنم کے دہانے پر کھڑے انسانوں کو جنت کا راستہ دکھایا، جو انسان اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا تھا اسے وہاں سے اٹھا کر بلندیاں عطا کیں، جو دوسروں کے غلام تھے انھیں حکمرانی کے ہنر سکھائے۔ کفر کی دنیا اس لیے اس شخص سے خار کھائے ہوئے ہے کہ اس نے یہ احسانات تم پر کیے، ورنہ اس نے کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی برائی نہیں کی تھی۔ اس لیے اب تمہاری احسان شناسی کا لازمی تقاضہ ہے کہ جتنا بغض وہ خیر مجسم کے خلاف رکھتے ہیں اسی قدر؛ بلکہ اس سے زیادہ تم ان سے محبت کرو جتنی وہ مذمت کرتے ہیں اتنی تم ان کی تعریف کرو، ان کے حق میں دعا کرو جو اللہ کے فرشتے شب و روز کر رہے ہیں؛ کیوں کہ ہم ان کے احسانوں کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتے، اس لیے اللہ سے کہتے ہیں اللہ ان کی خدمات کے بدلے انھیں بہتر از بہتر مقام و مرتبہ عطا فرما (تفہیم القرآن حاشیہ آیت:۵٦، سورہ احزاب)۔

جب حکم صلاۃ (درود) نازل ہوا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہمیں آپ نے سکھا دیا کہ- یعنی- السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جو نماز کے تشہد میں پڑھا جاتا ہے اور اب صلاۃ (درود) کا طریقہ بھی تعلیم فرما دیجیے، آپ نے یہ درود تلقین فرمایا: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد. اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد (متفق عليه. بخاری، كتاب الدعوات، باب الصلاة على النبی ﷺ، مسلم، كتاب الصلوٰة باب الصلوٰة على النبی بعد التشهد)

صحیح بخاری ومسلم کی دوسری روایات میں یہ درود اس طرح بھی ہے: اللّٰهم صلی علی محمد وازواجه وذريته كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على آل ابراهم انك حميد مجيد (متفق عليه. بخاری، كتاب الدعوات، باب الصلاة على النبی ﷺ. مسلم، كتاب الصلوٰة، باب يصلی على النبی بعد التشهد)۔

واضح رہے کہ آیت میں صرف آپ ﷺ کے لیے صلاۃ (درود) کا حکم تھا کہ مؤمنین آپ پر درود بھیجیں، مگر حضور ﷺ نے اپنے ساتھ اپنی آل، ازواج اور ذریت کو بھی شامل کر لیا۔ اس پر ابن حجر الہیثمی مکی نے فرمایا کہ الفاظ صلاۃ (درود) میں اپنے ساتھ اپنے اہل بیت کو شامل کرنا اس بات کی ظاہر دلیل ہے کہ اللہ نے اہل بیت پر صلاۃ کا حکم فرمایا اور یہ آپ کے لیے اور آپ کے گھر والوں کے

لیے نہایت شرف وعظمت کی بات ہے (الصواعق المحرقه، ص: ۱۳۱، الباب الحادی عشر فی فضائل اهل البیت النبوی، الفصل الاول فی الآیات الواردة فیهم)۔

بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ بغیر حکم ومنشاء الٰہی کچھ نہیں کہتے، آپ ﷺ نے آیت یَا أَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوا تَسۡلِیۡمًا کے سوا درج ذیل آیات کے معنی ومفہوم کو سامنے رکھ کر اپنے ساتھ دوسروں کو صلاۃ میں شامل فرمایا:

أُولَـئِكَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُونَ (البقرة:۱۵۷)

خُذۡ مِنۡ أَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّیۡهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَیۡهِمۡ إِنَّ صَلاَتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ (التوبہ:۱۰۳)

هُوَ الَّذِی یُصَلِّی عَلَیۡكُمۡ وَمَلَائِكَتُهُ لِیُخۡرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّورِ (الاحزاب:۴۳)

پہلی آیت میں اللہ رب العزت کی طرف سے ان لوگوں کو صلاۃ اور رحمت بطور خراج تحسین پیش کیا گیا جو راہ خدا میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور ان کو ہدایت یافتہ ہونے کی مزید سند عطا کی گئی۔ دوسری آیت میں رضی اللہ عن المومنین (الفتح:۱۸) کے مصداق صحابہ پر آپ کو صلاۃ (دعاء رحمت) بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری آیت میں قیامت تک آنے والے تمام مؤمنوں پر اللہ ارحم الراحمین کی طرف سے صلاۃ (رحمت) کا وثیقہ عطا کیا گیا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان تمام آیات کی غرض وغایت اور منشاء الٰہی کو دیکھتے ہوئے ایک جامع درود کی تعلیم فرمائی۔ اس درود میں بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج وذریت اور اقارب سرفہرست ہیں؛ کیوں کہ اسلام میں ان کی خدمات گراں قدر ہیں۔

حضور ﷺ کے اقرباء:

آپ ﷺ کے اقرباء کے لیے نہایت شرف وعظمت کی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کو مال غنیمت اور فیئ میں سے خمس عطا فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاعۡلَمُوا أَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِن شَیۡءٍ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وِلِلرَّسُولِ وِلِذِی القُرۡبٰی (الانفال:۴۱) (اور جان لو کہ جو چیز تم کو غنیمت میں ملے اس میں پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور رسول کے رشتہ داروں کے لیے ہے)۔

اس آیت سے یہ بات بھی طے ہوگئی کہ حضور کے قرابت دار کون ہیں؟ یعنی قرابت دار وہ ہیں جن کو حضور ﷺ مال غنیمت اور فے میں حصہ دیتے تھے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں: مشیت انا وعثمان بن عفان الی رسول اللّٰه

صلی اللّٰہ علیه وسلم، فقلنا یا رسول اللّٰہ! اعطیت بنی المطلب وترکتنا ونحن وھم منك بمنزلة واحدة، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم انما بنو المطلب وبنوھاشم شئ واحد (بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس للامام)(میں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے خمس میں سے بنومطلب کو تو حصہ دیا ہے؛ لیکن ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اور بنومطلب آپ کے نزدیک رشتہ میں ایک ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ بنومطلب اور بنوہاشم ایک ہیں)۔

بنوہاشم سے مراد آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث ہیں اور خود حضور ﷺ کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔ اور عبدالمطلب نے بنوہاشم کی جاہلیت اور اسلام میں بڑی مدد کی تھی اور انھیں کے ساتھ گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کیا تھا۔ یہ لوگ پورے طور پر حضور کی حمایت میں تھے۔ ان میں مسلمان تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے اور جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے وہ خاندان کی طرفداری اور رشتوں وناطوں کی حمایت کی وجہ سے۔ رہے بنوشمس اور بنونوفل، گو یہ بھی حضور کے چچازاد بھائی تھے؛ لیکن وہ اس وقت حضور ﷺ کی حمایت میں نہیں تھے؛ بلکہ ان کی وفاداریاں قریش کے ان تمام قبائل کے ساتھ تھیں جنھوں نے مل کر حضور کے خاندان بنوہاشم کا بائیکاٹ کیا تھا۔ حضرت جبیر بن مطعم (راوی حدیث) اور حضرت عثمان بن عفان کا تعلق علی الترتیب بنونوفل اور بنوعبدشمس سے تھا، اللہ کے رسول نے انھیں خمس میں شامل نہیں فرمایا۔

حضور ﷺ کے اقربا (بنوہاشم اور بنومطلب) حضور سے شرف قرابت اور ابتدائے اسلام میں نصرت وامداد کی وجہ سے تمام دوسروں سے افضل ہیں؛ لیکن ان کی محبت میں کسی قسم کا غلو جائز نہیں کہ انھیں مقام نبوت یا مقام عصمت تک پہنچادیں۔ مقام عصمت انبیاء کا امتیاز ہے۔ اسی طرح ان کے مطلق طور پر افضل ہونے کا مطلب بھی یہ نہیں کہ علم وفضل میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں؛ بلکہ خلفائے ثلاثہ امت کے دوسرے تمام افراد میں افضل ہیں باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ بعض خصوصیات میں خلفائے ثلاثہ میں ممتاز ہیں۔

تمام اہل سنت والجماعۃ اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ کے اہل بیت کی محبت اور ان کی تعظیم وتکریم دراصل آپ ﷺ ہی کی تعظیم وتکریم ہے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کہا کرتے تھے ارقبوا محمداً صلی اللّٰہ علیه وسلم فی أھل بیته (بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ) (اے لوگو! رسول اللہ ﷺ کے

گھرانے کے لوگوں کا پاس ولحاظ رکھو، انھیں کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ اور نہ ہی انھیں برا بھلا کہو)۔

ایک اور موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا رسول کی قرابت اور ان کے ساتھ حسن سلوک مجھے زیادہ عزیز ہے بہ نسبت اپنے رشتہ داروں کے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے (قرابة رسول اللّٰه احب إلى أن اصل من قرابتى) (مسلم، کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ لانورث)۔

حضرت عمرؓ بھی حضور کی قرابت کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ انھیں عطایا اور تقسیم وظائف میں خود پر بھی مقدم رکھتے تھے اور دوسرے تمام پر بھی۔ ابن تیمیہؒ نے فرمایا: فان عمر ابن الخطاب لما وضع ديوان العطاء كتب الناس على قدر انسابهم، فبدأ فأقربهم نسبا إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلما انقضت العرب ذكر العجم هكذا كان ديوان على عهد الخلفاء الراشدين وسائر الخلفاء من بنى اميه وولد العباس إلى أن تغير الأمر بعد ذلك (اقتضاء الصراط المستقيم فى مخالفة اصحاب الجحيم ۳۹۹/۱، مطبوعہ: ریاض سعودی عرب)۔

(حضرت عمرؓ نے جب اپنے عہد خلافت میں وظیفہ کا رجسٹر تیار کرایا تو اس میں لوگوں کا وظیفہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی بنیاد پر رکھا۔ اس میں سب سے پہلے ان لوگوں کو رکھا جو نسب میں رسول اللہ ﷺ سے قریب تر تھے۔ جب تمام عرب کے قبائل کا ذکر مکمل ہوا تو اس کے بعد عجم کے لوگوں کا ذکر کیا۔ یہ رجسٹر اور اس پر عمل عہد خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے تمام خلفاء اور بنو عباس کے زمانہ تک ہوتا رہا یہاں تک کہ اس کے بعد حالات میں تبدیلی آئی)۔

ازواج مطہرات:

آپ ﷺ کے گھرانے میں آپ کی ازواج مطہرات پر اللہ کی خاص رحمت اور برکت رہی۔ اللہ رب العزت نے آپ کی ازواج کو امت کی ''اولین خواتین'' کا درجہ عطا فرمایا۔ انھیں دنیا بھر کی تمام عورتوں کے لیے قدوہ اور پیشوا بنایا، ارشاد فرمایا: يَا نِسَاءِ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (احزاب:۳۲)۔ اے نبی کی بیویوں تم عام عورتوں میں سے نہیں ہو۔

اللہ عزوجل نے ان کے گھروں کو مہبط وحی (نزول وحی کا مقام) بنایا، ارشاد فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِيْ بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب:۳۴) (اور تلاوت کرتے رہو اس چیز کی جو پڑھی جاتی ہے تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت)۔

جب اللہ عزوجل نے ان ازواج کو یہ اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا تو انھیں اپنے مقام ومرتبہ کا خیال رکھنے اور اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی بھی تلقین فرمائی، ارشاد فرمایا: يَا نِسَاءِ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ

مِنکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُضَاعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا (احزاب:۳۰)
اے ازواج نبی! تم میں سے جو بھی اپنے مقام ومرتبہ سے ہٹ کر کوئی عمل کرے گا اس کے لیے دوگنا عذاب ہوگا۔

ان سب باتوں کا مقصد گھرانہ نبوت کو تمام کھوٹ اور عیوب سے اعلیٰ درجہ کی تطہیر سے نوازنا تھا، ارشادفرمایا: إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (احزاب:۳۳) (اللہ چاہتا ہے کہ تم دی گئی ہدایات پر عمل کرو اور تمہارے گھروں سے کثافت دور کردے اور تمہیں پورے طور پر پاک وصاف کردے)۔

آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہ، عطا، مقاتل اور سعید بن جبیر نے ابن عباس کے حوالہ سے فرمایا کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ سیاق وسباق کی تمام آیات میں ازواج مطہرات ہی کا ذکر ہے (تفسیر بغوی وتفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب:۳۳)۔ حضرت عکرمہ تو بازاروں میں اعلان کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں؛ کیونکہ یہ آیت انھیں کی شان میں نازل ہوئی اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں (تفسیر قرطبی وابن کثیر، تفسیر سورہ احزاب:۳۳)۔

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہی مراد ہیں؛ لیکن یہ بات اس کے منافی نہیں کہ تبعاً کچھ دوسرے لوگ (داماد اور اولاد اولاد) بھی اہل بیت میں شامل ہوجائیں؛ چنانچہ ابن کثیرؒ کی یہی رائے ہے۔ اس لحاظ سے اہل بیت میں آپ ﷺ کے تمام داماد (حضرت ابوالعاص، حضرت عثمان اور حضرت علی)، بیٹیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ) اور بیٹیوں کی اولاد (حضرت زینب کی اولاد: حضرت امامہ اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی اولاد: حضرت حسن، حسین، زینب اور ام کلثوم) سب شامل ہیں۔

حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ:

حضرت خدیجہؓ مکہ کی ایک نہایت معزز خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے، اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں ہوچکی تھیں، پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ ان سے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے۔ دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی، ان سے ہند پیدا ہوئیں۔ عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اکرم ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے وقت

ان کی عمر چالیس سال تھی اور حضور ﷺ کی پچیس برس۔

حضرت خدیجہؓ اپنے زمانہ کے لوگوں میں نہایت عقلمند، دانا اور بابصیرت خاتون تھیں۔ان کے اخلاقی فضائل میں سخاوت، جاں نثاری، صبر واستقامت جیسے اوصاف نمایاں تھے۔ وہ اپنے معاشرے میں ایک پاک دامن اور بلند مرتبہ خاتون تھیں۔ایام جاہلیت میں وہ طاہرہ اور سیدہ قریش کے نام سے مشہور تھیں۔ان کا در دولت ہمیشہ حاجت مندوں اور فقیروں کے لیے کھلا رہتا تھا،کوئی بھی محتاج ان کے دروازے سے خالی نہیں جاتا تھا۔

حضرت خدیجہ حسین وجمیل اور مکہ کی سب سے دولت مند خاتون تھیں۔ان کی ذاتی تجارت تھی۔ان کا کاروبار اتنا بڑا تھا کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کے لیے روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے سامان تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ان کے حسن وجمال، دولت اور سماج میں اعلیٰ مقام کی وجہ سے اس زمانے کے عرب کے بڑے بڑے سردار مثلاً عقبہ بن معیط بن امیہ، ابوصلت، ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ نے ان سے رشتہ ازدواج کی خواستگاری کی؛ لیکن وہ ان میں سے کسی کو اپنی شان کے مطابق نہیں سمجھتی تھیں۔حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کے رشتہ کو یہ کہتے ہوئے قبول کیا کہ ان کے اخلاق نہایت عمدہ ہیں، وہ امانت دار اور سچے ہیں۔

آپ ﷺ بچپن ہی سے تجارت سے منسلک تھے۔سولہ سال کی عمر تک آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ کئی تجارتی سفر کرچکے تھے۔عمر کے ساتھ ساتھ آپ کا دنیاوی اور تجارتی تجربہ بڑھتا گیا۔اس زمانہ میں لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اسے تجارت کے نفع میں شریک کرتے تھے۔آں حضرت ﷺ خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تجارت کی غرض سے شام وبصرہ اور یمن کے متعدد سفر کیے۔پچیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ کے حسن معاملہ، راست بازی، صدق، امانت اور پاکیزہ اخلاق کی عام شہرت ہوچکی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو امین کہہ کر پکارتے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں اور کہا کہ جو معاوضہ دوسروں کو دیا جاتا ہے اس سے دو چند معاوضہ آپ کو دیا جائے گا۔آنحضرت ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر سفر پر روانہ ہوگئے۔واپس آکر حضرت خدیجہ کو اتنا زیادہ نفع لوٹایا جتنا اب تک کسی نے بھی نہیں لوٹایا تھا۔حضرت خدیجہؓ آپ کی محنت اور ایمانداری سے بہت متاثر ہوئیں۔سفر سے واپسی کے دو یا تین مہینہ بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیج دیا۔اس زمانہ میں عورتوں کو اس قسم کی آزادی حاصل تھی۔حضور ﷺ نے آپ کا رشتہ قبول فرمایا اور پانچ سو درہم مہر پر آپ کے چچا

ابوطالب نے آپ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کردیا۔

نکاح کے بعد حضور نے ان کے ساتھ زندگی کے پچیس برس گذارے اس کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا۔ حضور ﷺ حضرت خدیجہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ وہ جب تک حیات رہیں آپ نے کبھی دوسری شادی نہیں کی۔ حالاں کہ عرب کے ماحول میں ایک سے زائد شادی کرنا عام بات تھی۔

حضرت خدیجہ نے حضور کی بڑی مدد کی۔ ابتداءِ اسلام میں جب رسول اللہ ﷺ کا کوئی معاون ومددگار نہ تھا تو انھوں نے اپنی تمام دولت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ آپ ہی حضور کی وزیر اور مشیر تھیں۔ مکہ میں جب ہر طرف مخالفت کا طوفان تھا تو صرف وہی ایک حضور کی تسکین کا باعث تھیں۔ وہ جب تک زندہ رہیں حضور کو کوئی غم لاحق نہیں ہوا؛ مگر جس سال حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، وہ سال آپ ﷺ کی زندگی کا عام الحزن (غم کا سال) بن گیا۔ حضور زندگی بھر انھیں بھلا نہیں پائے۔

آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہ سے ہوئیں۔ ان میں تین صاحبزادے، جن کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا اور چار صاحبزادیاں: حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ ہیں۔

حضرت خدیجہ کی ایک بہن حضرت ہالہ بھی تھیں جن کے بیٹے ابوالعاص سے حضور ﷺ کی بڑی بیٹی حضرت زینب کا نکاح ہوا تھا۔ حضرت ہالہؓ قدیم الاسلام تھیں اور حضرت حدیجہ کی وفات کے بعد تک حیات رہیں۔ ایک مرتبہ وہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استئذ ان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آ گئیں اور بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ ''ہالہ ہوں گی''۔ وہاں حضرت عائشہ بھی موجود تھیں ان کو رشک ہوا، بولیں کہ آپ ایک بوڑھی عورت کو یاد کیے جاتے ہیں جو مرچکیں، خدا نے آپ کو ان سے اچھی بیویاں عطا کیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے ان کی محبت دی ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب بھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشیں عورتوں کے پاس گوشت بھجوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو کبھی نہیں دیکھا؛ لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو ''خیر نساء العالمین'' کا لقب عطا فرمایا۔ یعنی وہ دنیا کی چار سب سے بہتر خواتین میں سے ایک تھیں۔ ان چار میں بقیہ تین: حضرت مریم، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

حضرت سودہ بنت زمعہؓ:

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ ابتدار نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں۔ اس بنار پر انھیں قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی پہلی شادی حضرت سکران بن عمرؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت سودہؓ انھیں کے ساتھ اسلام لائیں اور انھیں کے ساتھ حبشہ ہجرت (ثانی) کی، پھر حبشہ سے مکہ واپس آنے کے کچھ دنوں بعد حضرت سکران کی وفات ہوگئی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا، اس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ انھوں نے اسلامی جہاد میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضور اکرم ﷺ نہایت غمگین اور اداس رہتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس وغمخوار کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے حوالے تھا۔ آپ کے ایمار سے وہ حضرت سودار کے گھر گئیں اور نکاح کا پیغام دیا، گھر والوں نے رشتہ کو منظوری دی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نکاح چار سو درہم مہر پر حضرت سودہ سے ہوگیا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور حضور ﷺ کی عمر مبارک بھی پچاس سال تھی۔ نکاح کے بعد حضرت سودہؓ نے آپ کی چہیتی اور لاڈلی بیٹیوں کی دل وجان سے پرورش کی۔ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مسجد نبوی سے متصل آپؐ کا حجرہ بنایا گیا۔ اس کے بعد دوسری ازواج کے حجرے تعمیر ہوئے۔ ان حجرات (کمروں) کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے گھر میں ہی رہنا پسند کیا۔ حجۃ الوداع کے بعد کبھی کسی طرح کا سفر نہیں کیا، نہ ہی کسی حاجت سے باہر نکلیں۔

حضرت سودہؓ نے جب نبی ﷺ کا دلی میلان حضرت عائشہؓ کی جانب محسوس کیا تو آپ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر دو دن رہتے تھے۔ ایک دن حضرت عائشہ کی باری کا اور ایک دن حضرت سودہ کی باری کا۔ حضرت سودہؓ کی وفات حضرت عمرؓ کی خلافت کے اواخر لگ بھگ ۲۲ ہجری میں ہوئی۔ سخاوت اور فیاضی ان کے اوصاف نمایاں تھے۔

حضرت عائشہؓ:

۱۰ر نبوی میں آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، چار سو درہم مہر مقرر رہا۔ نکاح کے وقت وہ کمسن تھیں، اس لیے اس وقت ان کی رخصتی نہیں ہوسکی۔ ۱۳ر نبوی میں آپ نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ (والد حضرت عائشہ) ساتھ تھے۔ مدینہ میں جب اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن

اریقط کو بھیجا کہ ام رومان (حضرت عائشہؓ کی والدہ) اور اسماءؓ (حضرت عائشہ کی بہن) اور عائشہؓ کو لے آئیں۔ ادھر آں حضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع کو حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کو لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ مدینہ آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوگئیں۔ صحت حاصل ہوئی تو ان کی والدہ کو رسم رخصتی ادا کرنے کا خیال آیا۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح شوال کے مہینہ میں ہوا تھا اور رخصتی بھی اسی ماہ میں ہوئی۔ زمانہ قدیم میں اسی ماہ میں طاعون آیا تھا اس بناء پر اہل عرب اس ماہ کو خوشی کی تقریب کے لیے ناموزوں سمجھتے تھے؛ مگر اس نکاح سے جاہلیت کا یہ وہم ہمیشہ کے لیے نابود ہوگیا۔

حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی محبوب بیوی تھیں۔ آپؐ نے مرض الموت میں تمام ازواج سے اجازت لے کر اپنے زندگی کے آخری ایام حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گذارے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بہت نمایاں ہے، اللہ نے انھیں دین کی فہم عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتویٰ دیتی تھیں۔ متعدد اصحاب رسول پر ان کے استدراکات ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰/ حدیثیں مروی ہیں۔ لگ بھگ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ ان ہی سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال آجاتا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں۔ (ترمذی، کتاب المناقب، باب من فضل عائشہؓ)۔ خصوصاً عورتوں کے مسائل ان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے ۹/ برس تک آں حضرت ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ حضورؐ کے بعد وہ تقریباً ۴۸/ سال حیات رہیں، ۵۷ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔

حضرت حفصہؓ:

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ بعثت سے پانچ برس قبل پیدا ہوئیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ السہمی سے ہوئی اور انھیں کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ خنیس کو جنگ بدر میں کاری زخم لگا، واپس آکر وہ انھیں زخموں کی وجہ سے انتقال فرماگئے۔ اس کے بعد حضور نے ۳ ہجری میں حضرت حفصہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

حضرت حفصہؓ کے مزاج میں سختی تھی۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: انها ابنة ابيها (وہ اپنے باپ کی بیٹی ہیں)۔ حضرت عمرؓ سخت مزاج مشہور تھے۔ حضورؐ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ عمر سے شیطان بھاگتا ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ تقریب نبوی میں دوش بدوش رہتی تھیں۔ اس بناء پر یہ دونوں دیگر

ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں؛ لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک ورقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں دوران خلافت حضرت امیر معاویہؓ وفات پائی۔ مروان بن الحکم گورنر مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت زینب بنت خذیمہؓ ام المساکین:

زینب نام تھا، زمانہ جاہلیت سے فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھلاتی تھیں اسی لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحش نے جنگ احد میں شہادت پائی۔ احد کے بعد ۳ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جن کی وفات پہ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی۔

حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہؓ:

ہند نام اور ام سلمہ کنیت تھی، والد کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتکہ تھا۔ حضرت خالد بن الولید کی چچازاد بہن تھیں، حضرت ام سلمہؓ مکہ کی خوبصورت اور شریف زادیوں میں سے تھیں۔ پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں، جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ ہجرت کی۔ چنانچہ سلمہ (ان کے بیٹے) حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔ حبشہ سے مکہ آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی۔ وہ پہلی خاتون اسلام ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائیں۔ ان کے شوہر ابوسلمہ اچھے شہسوار تھے۔ جنگ بدر واحد میں دادِ شجاعت حاصل کی۔ غزوہ احد میں زخم آئے جن کے صدمہ سے جاں بر نہ ہوسکے اور ۴ھ میں وفات پاگئے۔ ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی نماز جنازہ میں ۹ر تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یارسول اللہ! نماز میں کچھ خلاف معمول تو نہیں ہوا؟ فرمایا کہ یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ابوسلمہ کے وفات کے وقت ام سلمہ حمل سے تھیں۔ وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو حضور نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انھوں نے چند عذر پیش کیے، وہ بولیں کہ میں بچہ والی ہوں، میرا سن زیادہ ہے اور میں سخت غیور ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تم سے تمہاری اس خو کو رفع کردے گا۔ رہی بات بچوں کی، تو ان کی کفالت میرے ذمہ ہوگی۔ عمر کے بارے میں فرمایا

کہ میرا سن تم سے زیادہ ہے۔اس کے بعد ام سلمہؓ نکاح کے لیے راضی ہوگئیں اور نکاح ہوگیا۔

ازواج مطہرات میں سب سے بعد ۶۰ ہجری کے لگ بھگ آپ نے وفات پائی، وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں انھیں کا مقام ومرتبہ ہے۔روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہؓ کو چھوڑ کر انھیں دوسری تمام بیبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ان کی اصابت رائے اور کمال عقل پر حدیبیہ کا واقعہ شاہد ہے۔صلح حدیبیہ کے وقت جب صحابہ کو حلق اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی منقول ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ دب کر صلح ہونے پر افسردہ تھے۔اسی دوران آپ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔مگر بار بار کہنے کے باوجود لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر کی۔آپ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور ام سلمہ سے شکایت کی۔انھوں نے کہا اب آپ کسی سے کچھ مت کہیے؛ بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کیجیے اور بال منڈوالیں۔آپ نے باہر آکر قربانی کی اور بال منڈوائے۔اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے جلدی جلدی قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔ہجوم اور عجلت کا یہ حال تھا کہ ہر شخص ان کاموں سے سب سے پہلے فارغ ہونا چاہتا تھا۔

۹ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔حضرت عمر نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت عمرؓ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں۔ان سے بھی گفتگو کی۔ام سلمہ نے جواب دیا عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو؛ چونکہ جواب نہایت مسکت تھا اس لیے حضرت عمر چپ ہوگئے اور اٹھ کر چلے آئے۔رات کو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ آپ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی، صبح کو جب حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا، جب ام سلمہ کا قول نقل کیا تو آپ ﷺ مسکرادیے۔

حضرت زینب بنت جحشؓ:

ام المومنین حضرت زینب رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔حسن وجمال میں ممتاز تھیں، حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ بھی رکھتی تھیں۔آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی۔زہد وورع کا حال یہ تھا کہ جب حضورؐ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے صاف لفظوں میں کہا: ما علمت الا خیرا. میں ان کے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہیں

جانتی۔ ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا۔ حضرت زیدؓحضورؐ کے منہ بولے بیٹے تھے وہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے تھے۔ وہ حضورؐ کے ساتھ رہتے رہتے زید بن محمد کے نام سے مشہور ہوگئے۔ حضور کی ان پر خاص عنایت تھی، حضورؐ نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زیدؓ سے کردیا؛ مگر یہ رشتہ قائم نہ رہ سکا۔ طلاق وعدت کے بعد حضرت زینبؓ حضورؐ کی زوجیت میں آئیں۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت زینبؓ تمام ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں، کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا؛ مگر میرا نکاح خود اللہ نے اپنے رسول کے ساتھ کیا۔ سورہ احزاب میں ہے: فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (الاحزاب:۳۷) پھر جب زید حاجت پوری کرچکا (یعنی طلاق دے چکا) تو ہم نے اس کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں کو متبنّٰی کی زوجہ سے نکاح کرنے میں تنگی نہ رہے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گا جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ یہ اشارہ تھا فیاضی کی طرف؛ لیکن ازواج مطہرات نے اس کو حقیقت سمجھا۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بناء پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں؛ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انھوں نے ہی انتقال کیا۔ مرنے سے پہلے کفن کا سامان خود تیار کرلیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، ۲۰ھ میں انتقال ہوا، ۵۳ برس کی عمر پائیں۔ حضور ﷺ سے نکاح کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔

حضرت زینبؓ عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، طبیعتاً نہایت قانع اور فیاض تھیں۔ خود اپنے دست وبازو سے معاش پیدا کرتی تھیں۔ اس سے جو بھی حاصل ہوتا تھا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کردیتی تھیں۔

حضرت جویریہؓ:

حضرت جویریہ حارث بن ضرار (یہودی) کی بیٹی تھیں، جو قبیلہ نبو مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں جو لوگ قیدی بنائے گئے ان میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔ تقسیم غنیمت کے وقت وہ ثابت بن قیس بن سماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ حضرت جویریہؓ نے حضرت ثابت بن قیس سے ۹/اوقیہ سونے پر مکاتبت کرلی، یعنی اپنی آزادی کے بدلے ۹/اوقیہ سونا ادا کرنے پر معاہدہ کرلیا؛ لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ

تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ بنت حارث ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ آپ سے مخفی نہیں۔ میں نے ثابت بن قیس کے حصہ میں آنے کے بعد ۹/اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کرلی؛ مگر یہ رقم ادا کرنا میرے بس میں نہیں تھی، تاہم میں نے آپ کے بھروسے اس کو منظور کرلیا اور اس وقت آپ سے اسی رقم کا سوال کرنے کی غرض سے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انھوں نے کہا وہ کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا کہ میں یہ رقم ادا کیے دیتا ہوں اور تم راضی ہوتو میں تم سے نکاح کرلیتا ہوں، تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہے، وہ راضی ہوگئیں۔ آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا وہ بھی راضی ہوگئے۔ آپ نے رقم ادا کرکے انھیں آزاد کردیا اور پھر ان سے نکاح کرلیا۔

مدینہ واطراف مدینہ میں جب یہ خبر پھیلی کہ حضورؐ نے حضرت جویریہ سے نکاح فرمالیا تو مسلمانوں نے قبیلہ مصطلق کے تمام کے تمام لونڈی اور غلاموں کو اس بناء پر آزاد کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے رشتہ مصاہرت قائم کرلیا۔ آزاد ہونے والوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی عورت جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے عظیم البرکت ثابت ہوئی ہو۔

۵ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد کیا تھا، اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ۵۰ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ آپؓ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت ام حبیبہؓ:

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہؓ کی بہن تھیں، ان کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ بعثت سے ۱۷ سال قبل پیدا ہوئیں اور عبیداللہ بن جحش سے عقد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت (ثانیہ) کی۔ حبشہ جاکر عبیداللہ نے عیسائیت قبول کرلی؛ لیکن ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنیاد پر دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ ایک روز کسی نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حبشہ میں آباد مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ یارسول اللہ! ابوسفیان کی بیٹی انتہائی مشکل اور کٹھن حالات سے دوچار ہے۔ اس کا خاوند مرتد ہوکر فوت ہوچکا ہے، گود میں ایک چھوٹی سی بچی ہے؛ لیکن صبر واستقامت کے ساتھ وہ دین اسلام پر قائم ہے، رشتہ دار بھی اس کی خبر نہیں لیتے؛ لہٰذا وہ ہماری مدد کی مستحق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں ایک مراسلہ دے کر روانہ کیا۔ آپ نے اس میں لکھا کہ ام حبیبہؓ اگر پسند کریں تو ان کا نکاح میرے ساتھ کردیں۔ نجاشی کو جب

یہ پیغام پہنچا تو اس نے اپنی خاص لونڈی کو ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا اور رسول اللہ کے پیغام کی خبر دی۔ ام حبیبہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور اپنا سارا زیور اتار کر اس خوشخبری کے انعام میں اس لونڈی کو دے دیا۔

خالد بن سعید بن ابوالعاص جو ام حبیبہؓ کے ماموں کے لڑکے تھے، ان کو وکیل بنا کر نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے، بلایا اور سب کے سامنے نکاح کیا۔ خود خطبہ پڑھا اور چار سو دینار مہر اپنے پاس سے ادا کیا جو اسی وقت خالد بن سعید کے سپرد کیے گئے۔ نکاح کے بعد لوگوں نے اٹھنا چاہا؛ لیکن نجاشی نے کہا کہ دعوت ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے۔ چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کر رخصت ہوئے۔ جب مہر کی رقم ام حبیبہؓ کو ملی تو انھوں نے اس میں سے پچاس دینار اسی لونڈی کو دینا چاہا جس نے حضور کے پیغام نکاح کا مژدہ سنایا تھا؛ مگر اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ بادشاہ نے ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے کنگن اور انگوٹھی بھی واپس کر دی جو ام حبیبہؓ نے اسے پہلے سے دی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ میں رسول مبعوث پر ایمان رکھتی ہوں، میری حاجت آپ سے صرف اتنی ہے کہ آپ رسول ﷺ تک میرا اسلام پہنچا دیجیے اور ان سے کہیے کہ میں ان کے دین کی اتباع کرتی ہوں۔ عقد کے بعد شاہ نجاشی کی طرف سے بہت سے تحفہ وتحائف کے ساتھ ام حبیبہؓ کو شرجیل بن حسنہ کے ذریعہ مدینہ بھیج دیا گیا۔ جب حضرت ام حبیبہؓ مدینہ تشریف لائیں تو نجاشی کے دربار کے تمام واقعات، خطبہ نکاح اور باندی کی باتوں کو حضور ﷺ تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ۔ یہ ہجری ۷ کی بات ہے، اس وقت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نہایت پرہیزگار اور عابد خاتون تھیں، اکثر خدا کی یاد میں رہتی تھیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اس کے بعد ساری زندگی کبھی بھی ان نوافل کو نہیں چھوڑا۔ فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے آپؓ کے والد ابوسفیان مدینہ آئے تو آپؓ کے گھر بھی آئے، استراحت کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، حضرت ام حبیبہؓ نے اسے فوراً اٹھالیا، ان کے والد نے برا مانا اور بیٹی سے پوچھا کہ تم نے بستر کیوں سمیٹ دیا۔ آپؓ نے فرمایا تم مشرک ونجس ہو اور یہ رسول اللہ کا پاک بستر ہے تم اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ ام حبیبہؓ نے ۴۴ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں مدفون ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ:

آپ کا نام میمونہ تھا، آپ کے والد کا نام حارث بن حزن بن عبدالعزی۔ پہلے مسعود بن عمرو بن

عمیرالثقفی کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی تو ابورہم بن عزہ نے نکاح کیا۔ ابورہم کے انتقال کے بعد ۷ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ روایات کے مطابق سن ۷ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو سیدہ میمونہ مسلمانوں کی ہیئت کو دیکھ کر حیران ہوئیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گاؤ ہوگیا۔ انھوں نے اس موضوع کو اپنی بہن ام الفضل لبابہ کے سامنے رکھا جو رسول اللہ کے چچا حضرت عباس کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہر حضرت عباس سے اس رشتہ کے لیے درخواست کی۔ عباس نے اس بات کا اظہار رسول اللہ کے سامنے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کو اس رشتہ کی خواستگاری کے لیے بھیجا۔ جب رسول اللہ کی طرف سے انھیں نکاح کا پیغام پہنچا تو اونٹ پر سوار تھیں انھوں نے کہا: اونٹ اور اس کا سوار ان کے اللہ اور اللہ کے رسول کی یاد میں ہے۔ اس موقع پر آیت یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِيْ..... (احزاب:۵۰) نازل ہوئی۔

سیدہ میمونہ نے اپنی شادی کا اختیار عباس بن عبدالمطلب کے سپرد کردیا، جنھوں نے مکہ سے دس میل کے فاصلے پر مقامِ سرف پر آپ کا نکاح کردیا اور چار سو درہم حق مہر قرار دیا۔ رسم عروسی ادا ہوئی۔ یہ رسول اللہ کا آخری نکاح تھا اور سیدہ میمونہ آپ کی آخری بیوی تھیں، یہاں سے آپ رسول اللہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئیں۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح مقام سرف میں ہوا تھا اور ۱۵ہجری میں سفر حج سے واپسی کے وقت مقام سرف میں ان کا انتقال بھی ہوا اور اسی مقام پر دفن ہوئیں جہاں زفاف کا قبہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ (ان کے بھانجے) نے فرمایا یہ رسول اللہ کی بیوی ہیں۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ باادب اور آہستہ لے چلو۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰/۸۱ سال تھی۔

حضرت صفیہؓ:

آپ کا اصل نام زینب تھا۔ دستورِ عرب کے مطابق مال غنیمت کا جو بہترین حصہ بادشاہ کے لیے مخصوص ہوجاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے؛ چونکہ جنگ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں، اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ آپؓ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کے والد کا نام حییّ بن اخطب اور ماں کا نام برہ بنت سموال تھا۔ حضرت صفیہ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی۔ باپ قبیلہ بنونضیر کا سردار اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھیں۔

حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ابن مشکم نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔کنانہ سے نکاح ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ محرم ۷ہجری میں غزوہ خیبر برپا ہوگیا۔کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا،ساتھ ہی حضرت سفیہ کے باپ اور بھائی بھی مارے گئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی،آنحضرتؐ نے انھیں انتخاب کی اجازت دے دی،انھوں نے حضرت صفیہ کو منتخب؛ مگر جب لوگوں نے آپ کو اطلاع دی کہ دحیہؓ نے جس لونڈی کو منتخب کیا ہے وہ بنوقریظہ اور بنونضیر کے سردار کی لڑکی ہے۔خاندانی وقاران کے لباس سے عیاں ہے، وہ ہمارے سردار یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موزوں ہیں۔آپؐ نے حکم دیا کہ دحیہؓ اس لونڈی کو لے کر حاضر ہوں۔چنانچہ حضرت دحیہؓ صفیہؓ کو لے کر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کردیا اور انھیں یہ اختیار دیا کہ چاہیں وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو نکاح میں آجائیں۔حضرت صفیہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنا پسند کیا،ان کی رضامندی سے حضور نے ان سے نکاح کرلیا۔خیبر سے روانہ ہونے کے بعد مقام صہبار میں جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو وہاں ام سلیم،والدہ حضرت انس بن مالک،نے ان کی کنگھی چوٹی کی،کپڑے بدلے،خوشبو لگائی اور وہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔کھانے کی چیزوں میں سے جو کچھ لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کرکے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔حضور نے یہاں تین روز قیام کیا جب روانہ ہوئے تو آپؐ نے انھیں اونٹ پر سوار کرلیا اور اپنے عبار سے ان پر پردہ کیا۔یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوگئی ہیں؛ کیوں کہ اس وقت پردہ کا حکم صرف حرّہ (آزاد عورت) کے لیے ہی تھا،لونڈی کے لیے نہیں تھا۔

حضرت صفیہؓ نہایت حسین وجمیل تھیں۔وہ جب خیبر سے مدینہ آئیں،تو یہاں ان کے حسن وجمال کا شہرہ ہوا،چنانچہ قبیلہ انصار کی عورتیں ان کو دیکھنے آئیں۔حضرت عائشہؓ بھی نقاب اوڑھ کر آئیں؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پہچان لیا۔جب واپس جانے لگیں تو حضورؐ ان کے ساتھ کچھ دور تک ساتھ چلے اور پوچھا کہ صفیہ کو تم نے کیسا دیکھا۔حضرت عائشہؓ نے کہا کہ دیکھا کہ وہ یہودیہ ہیں۔حضورؐ نے فرمایا یہ نہ کہو وہ مسلمان ہوگئی ہیں۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے،دیکھا کہ وہ رورہی ہیں۔آپ نے رونے

کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا کہ عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (علیہم الصلاۃ والسلام) میرے شوہر ہیں، اس لیے تم لوگ کیوں کہ مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔

حضرت صفیہؓ جب حضورؐ کی زوجیت میں آئیں تو ان کی عمر سترہ سال تھی اور لگ بھگ ۵۰ھ میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اولاد واحفاد:

حضرت زینبؓ: آپ ﷺ کی اولاد میں چار حقیقی بیٹیاں ہیں اور چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے ہیں۔ ان میں حضرت زینبؓ سب سے بڑی بیٹی ہیں، بعثت سے دس برس قبل پیدا ہوئیں، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ جب حضور نے اعلان نبوت فرمایا تو سیّدہ خدیجہ کے ساتھ آپ نے بھی اسلام قبول فرمایا۔ اس وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۱۰؍سال تھی۔ بڑے ہونے پر ان کی شادی حضرت ابوالعاص بن الربیع سے ہوئی، جو رشتہ میں ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان سے دو بچے (حضرت علی اور امامہ) پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب نبوت کے تیرہویں سال مدینہ ہجرت کی تو حضرت زینب اپنے شوہر کے گھر تھیں۔ حضرت ابوالعاص کفر پر قائم ہونے کے باوجود ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں جنگ بدر ہوئی۔ اس جنگ میں ابوالعاص کفار کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی تو جنگی قاعدہ کے مطابق شکست خوردہ افراد کو قید کرلیا گیا۔ ان قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس اور آپ کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ فیصلہ ہوا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدی چھڑانے کے لیے فدیہ اور معاوضے بھیجنے شروع کیے۔ مدینہ طیبہ میں یہ تمام فدیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور حضرت ابوالعاص کا فدیہ حضرت زینب کی طرف سے ہار کی شکل میں پیش ہوا۔ نبی کی جب اس پر نظر پڑی تو آپ ﷺ پر بلا اختیار رقت طاری ہوگئی۔ اس ہار کو دیکھ کر حضرت خدیجہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ نبی ﷺ کی اس کیفیت کو دیکھ کر تمام صحابہ متاثر ہوئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم ابوالعاص کو رہا کردو اور زینب کا ہار واپس کردو تو تم ایسا کرسکتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کا ارشاد درست ہے ہم

ابوالعاص کو بلا فدیہ رہا کرتے ہیں اور حضرت زینب کا ہار واپس کرتے ہیں۔اس وقت آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔ابوالعاص نے وعدہ کرلیا اورانھیں بلامعاوضہ رہا کردیا گیا۔

حضرت ابوالعاص مکہ آئے اورحسب وعدہ حضرت زینبؓ کو مدینہ جانے کی نہ صرف اجازت دی؛ بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کوان کے ساتھ روانہ کیا۔انھوں نے اپنی تلواراور تیروکمان لیےاور سفر کے لیے نکل گئے۔حضرت زینبؓ سواری کے کجاوے میں تھیں اور کنانہ آگے آگے۔مکہ سے باہر نکلتے ہی اہل مکہ کو اطلاع ہوگئی کہ زینب بنت محمد مدینہ جارہی ہیں،تو کفار نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کوان پرحملہ کردیا۔ہبار بن اسود (بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) نے آگے بڑھ کرسیدہ زینبؓ پر نیزہ سے وار کیا۔شہزادی رسول زخم کھا کرسواری سے نیچے گرگئیں اور ایک چٹان سے ٹکرا گئیں،جس سے وہ کافی زخمی ہوگئیں،ان کا حمل بھی ضائع ہوگیا۔کنانہ نے ان کا تیروں سے مقابلہ کیا،ہباراوران کے ساتھی پیچھے ہٹ گئے۔قریب تھا کہ حالات مزید خراب ہوتے مگراس بیچ ابوسفیان نے آکر معاملہ کورفع دفع کردیا۔مگرسیدہ زینب کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ وہ سفرکرسکیں۔انھیں مکہ واپس جانا پڑا۔کچھ عرصہ بعدحضور ﷺ نے زید بن حارثہ کوانھیں مکہ سے لانے کے لیے بھیجا۔اس بار پھرلوگوں نے مدینہ ہجرت سے انھیں روکنا چاہا،مگراس بارابوسفیان کی بیوی کی مداخلت سے انھیں مدینہ جانے دیا گیا۔حضرت زیدؓ جوشہر سے باہرشہزادی رسول کی سواری کا انتظار کررہے تھےتمام آداب بجالاتے ہوئےشہزادی کونین کو بحفاظت مدینہ پہنچادیا۔حضرت زینبؓ نے مدینہ پہنچنے کے بعداپنے ابا جان سے کفار کی طرف سے پہنچنے والے تمام مظالم کا ذکر کیاتو سن کرحضوراقدس ﷺ کا دل بھرآیا،پھرفرمایا: زینب میری سب سے اچھی بیٹی ہے،جسے میری وجہ سے سب سے زیادہ مظالم سہنے پڑے۔کچھ دنوں بعدابوالعاص بھی ایمان لے آئے تو آپ ﷺ نے حضرت زینب کا ابوالعاص کے ساتھ دوبارہ نکاح کردیا۔اب سیدہ زینبؓ کے لیے آرام کے دن آئے تو زندگی نے وفا نہ کی۔مکہ سے مدینہ سفر کرتے ہوئے ہبار بن الاسود کے نیزے سے جوزخم آپ کوآئے تھےوہ پھرتازہ ہوگئے۔آخرکار وہی زخم آپ کی وفات کا سبب بن گئے۔۳۰سال کی عمر میں ۸ھ میں آپؓ اس دنیا سے پردہ فرماگئیں۔حضوراقدس ﷺ نے کفن میں رکھنے کے لیے اپنا تہہ بند مرحمت فرمایا۔نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھائی پھراپنے جگر گوشہ کوقبر میں اپنے دست مبارک سے اتار کرخالق حقیقی کے سپرد فرمادیا۔

حضرت زینب کی بیٹی امامہ سے آپ ﷺ بہت محبت کرتے تھے۔دوران نماز انھیں کندھے

پر بٹھا لیتے تھے، جب رکوع میں جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے تھے۔صحیح بخاری میں ہے: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی وھو حامل امامة بنت زینب بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.... فاذا سجد وضعھا وإذا قام حملھا (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا حمل جاریۃ صغیر علی عنقہ فی الصلاۃ) (رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو حضرت امامہ بنت زینب کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتے، پھر جب رکوع وسجدہ کرتے تو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انھیں سوار کر لیتے)۔

ایک مرتبہ بادشاہ نجاشی نے ایک نہایت قیمتی انگوٹھی آپ کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے اہل بیت میں سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ لوگ یہ سمجھے کہ شاید یہ انگوٹھی آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کو عطا فرمائیں گے؛ لیکن یہ انگوٹھی آپ ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہؓ بنت زینبؓ کو عطا کی۔

بڑے ہونے پر حضرت فاطمہ (خالہ) کے انتقال کے بعد (حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق) ان کا نکاح حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوا۔حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امامہؓ کا نکاح حضرت مغیرہ بن نوفل سے ہوا۔

حضرت زینبؓ کے صاحبزادے حضرت علیؓ سے بھی آپ ﷺ بہت محبت کرتے تھے۔فتح مکہ دن حضور نے انھیں اپنی اونٹنی پر سوار فرمایا تھا (ولما دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکة یوم الفتح ادرف علیا خلفہ) (اسدالغابہ،۴/۴۱، لابن اثیر)۔ابن الاثیر کے مطابق اس سبط رسول سیدنا علی بن ابوالعاصؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں قریب البلوغ عمر میں وفات پائی۔(اسدالغابہ،۴/۴۱، لابن اثیر)

حضرت رقیہؓ: آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ ہیں۔بعثت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں، ان کا نکاح ابولہب (آپ ﷺ کے چچا) کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا؛ مگر جب سورۃ تبت یدا نازل ہوئی تو باپ کے کہنے پر عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔پھر ان کی شادی مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔مکہ میں جب کفار کے مظالم حد برداشت سے بڑھ گئے تو آپ حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔کچھ وقت کے بعد حضرت عثمانؓ کو پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے والے ہیں تو حضرت عثمانؓ چند صحابہ کے ساتھ مکہ آئے، اس دوران نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔حضرت عثمانؓ نے حضرت رقیہؓ کو

لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ کے زمانہ قیام میں ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکا گیا، جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہوئی۔ عبداللہ کا چار سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا۔

۲ ہجری غزوہ بدر کا سال تھا، حضرت رقیہؓ کو خسرہ کے دانے نکلے اور سخت تکلیف ہوئی۔ حضور ﷺ بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ حضور اور صحابہ کرام غزوہ میں شرکت کے لیے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمانؓ بھی تیار ہوگئے، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ رقیہ بیمار ہے آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی مقیم رہیں۔ آپ کے لیے بدر میں شرکت کرنے والوں کے برابر اجر ہے۔

جب نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر میں شریک تھے، مدینہ میں حضرت رقیہؓ نے آخری سانس لی۔ کفن دفن کی تمام تیاری حضرت عثمانؓ نے انجام دی۔ غزوہ بدر کی فتح کی بشارت لے کر جب حضرت زید بن حارثہؓ مدینہ پہنچے تو اس وقت حضرت رقیہؓ کو دفن کرنے کے بعد لوگ اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ چند دن بعد حضور ﷺ جب مدینہ پہنچے تو جنت البقیع میں قبر رقیہ پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔

حضرت ام کلثومؓ: ام کلثوم آپ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ ان کا شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی، رخصتی نہیں ہو پائی تھی کہ سورہ ابی الہب نازل ہونے کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے بھی حضرت ام کلثوم کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد حضور نے ان کی شادی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دی۔ ۹ھ میں آپؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ حضرت ام کلثوم کے انتقال کے وقت آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں ان کو دفن فرمایا۔

حضرت فاطمہؓ: فاطمہ زہرا، آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، آغاز بعثت یا بعثت سے ۴/۵ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ان کا نکاح دو ہجری میں واقعہ بدر کے بعد حضرت علیؓ کے ساتھ ہوا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر ۲۱ سال تھی اور حضرت فاطمہ کی عمر ۱۵ سال اور ساڑھے پانچ ماہ، دوسرے قول کے مطابق ۱۹ سال تھی۔ حضرت فاطمہؓ چال ڈھال اور سیرت میں حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اٹھنے بیٹھنے اور عادات واطوار میں حضرت فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ سے مشابہ نہیں دیکھا۔

حضرت فاطمہؓ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کی وجہ سے آپ کی بہت لاڈلی تھیں۔ حضور ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں تو وہ رسول اللہ کی تمام تر توجہات اور محبت کا مرکز بن گئی تھیں۔اس لیے کہ ہجری ۸ تک حضرت فاطمہ کی تینوں بڑی بہنوں کا انتقال ہو چکا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے پیغام نکاح بھیجا تو حضرت فاطمہؓ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ علیؓ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔رسول اللہ نے سنا تو فرمایا: فاطمة بضعة منی، فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی اسے تکلیف پہنچائے۔خدا کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔یہ سن کر حضرت علیؓ نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔(بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب ذکر اصہار النبی ﷺ)

حضرت فاطمہؓ جب حضور سے ملاقات کے لیے آتیں تو حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور ان کے سر کا بوسہ لیتے۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ حضور کے وصال سے کچھ پہلے ملاقات کے لیے آئیں،ان کی چال ڈھال رسول اللہ کے مشابہ تھی۔رسول اللہ نے بیٹی کو خوش آمدید کہا۔اس کے بعد آپ نے ان کو اپنے داہنی یا بائیں جانب بٹھایا، پھر آہستہ سے آپ نے حضرت فاطمہ کے کان میں کچھ کہا جس پر وہ رونے لگیں۔ پھر سرگوشی کی تو وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بعد میں میں نے فاطمہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا،تو انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے راز کو افشا نہیں کرنا چاہتی۔رسول اللہ کی وفات کے بعد ایک دن پھر میں نے فاطمہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ حضرت جبرئیل ہر سال مجھ سے ایک بار قرآن کا ورد کیا کرتے تھے مگر اس سال انھوں نے مجھ سے دوبار کیا۔اس سے میرا خیال ہے کہ میرا آخری وقت قریب ہے تو میں رونے لگی، پھر مجھ سے کہا کہ سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی اور تم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی تو میں یہ سن کر ہنسنے لگی۔(بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب فاطمہؓ)۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ وصال سے کچھ پہلے رسول اللہ مرض کی زیادتی سے بے ہوش ہوگئے۔حضرت فاطمہؓ آپ کے پاس تھیں وہ رونے لگیں، کہنے لگیں کہ میرے والد کو بہت تکلیف ہے،آپ نے فرمایا: آج کے بعد پھر کبھی نہیں ہوگی۔جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت فاطمہ یہ کہہ کر روئیں کہ میرے والد! اللہ نے آپ کو قبول کرلیا۔ابا جان آپ کا مقام جنت الفردوس ہے۔ اے میرے ابا جان! میں آپ کے وفات کی خبر جبرئیل کو سناؤں گی۔جب آپ ﷺ کو دفن کیا جا چکا تو

حضرت فاطمہؓ نے غم سے نڈھال ہوکر حضرت انسؓ سے کہا تم لوگوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ اللہ کے رسول کو مٹی میں چھپادو۔

حضرت فاطمہ زہرا، سے حضرت حسن، حسین، زینب، ام کلثوم اور محسن پیدا ہوئے، حضرت محسن کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ حضرت زینب کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے اور حضرت ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن الخطاب سے ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال رمضان ۱۱ھ، حضور کے ٦ ماہ بعد ہوگیا۔ اس وقت ان کا سن ۳۰ سال سے کم (۲۹ سال) تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے حضرت قاسم ہیں جو بعثت سے قبل پیدا ہوئے۔ دوسال بعد ان کی وفات ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انھیں کی وجہ سے تھی۔ دوسرے صاحبزادے عبداللہ ہیں جو بعثت کے بعد پیدا ہوئے، اسی لیے ان کا لقب طیب وطاہر تھا۔ صغرسنی میں ہی وفات پاگئے، یہ دونوں صاحبزادے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھے۔ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم تھے جو ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد وہ بھی وفات پاگئے۔

شیعہ اور اہل بیت:

لفظ اہل بیت عربی زبان میں ٹھیک انھیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم ''گھر والوں'' کا لفظ بولتے ہیں اور اس کے مفہوم میں آدمی کی بیوی اور بچے دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بیوی کو مستثنیٰ کرکے ''اہل خانہ'' یا ''گھر والوں'' کا لفظ کوئی نہیں بولتا۔ انھیں معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات واولاد اہل بیت ہیں۔ اس کے برعکس شیعوں کے نزدیک اہل بیت میں صرف پنج تن -یعنی- حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہی شامل ہیں۔ اس میں کوئی چھٹا تن داخل نہیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور آپ کی محبوب بیوی حضرت خدیجہؓ بھی نہیں۔ دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ آیت: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا میں مذکر صیغوں سے خطاب ہے، اگر اہل بیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مراد ہوتیں تو آیت کے الفاظ عنکم ویطھرکم کے بجائے عنکن ویطھرکن ہوتے۔

آیت کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: جو انسان ذرا بھی عربی سے واقفیت رکھتا ہے وہ آیت پڑھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں ازواج مطہرات شامل نہیں؛ بلکہ اگر کسی عام آدمی کو ان

آیات کا ترجمہ پڑھنے کے لیے کہا جائے تو اس کی بھی سمجھ میں آجائے گا کہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں؛ کیوں کہ نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لیے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں؛ کیوں کہ آیت ہٰذا سے پہلے اور بعد میں تمام تر خطابات انھیں سے ہوئے ہیں۔ ماقبل آیت: ”وقرن فی بیوتکن....“ اوراس کے بعد ”واذکرن ما یتلی فی بیوتکن...“ میں ان ہی کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان: انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ہے۔ اس درمیانی جزء کے بارے میں یہ کہنا کہ چوں کہ اہل بیت کو صیغہ مذکر سے بیان کیا گیا ہے اس لیے وہ اہل بیت میں شامل نہیں، یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے عربی زبان وادب سے کوئی واسطہ نہ ہو (ترجمہ شیخ الہند، تفسیر از مولانا شبیر احمد عثمانی، سورہ احزاب، آیت:۳۳)۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اسی صیغہ میں سورہ ہود میں بھی آیا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے کہا: أَتَعۡجَبِينَ أَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيۡكُمۡ أَهۡلَ الۡبَيۡتِ (ہود:۷۳) (کیا تم اللہ کے حکم میں تعجب کرتی ہو۔ اللہ کی رحمت اور برکت ہے تم پر اے گھر والو)۔

اس جگہ اهل البیت سے مراد زوجہ ابراہیم خلیل اللہ ہی ہیں۔ شیعہ مفسرین طبرسی (مجمع البیان) اور کاشانی (منہج السالکین) نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اہل البیت سے مراد حضرت سارہ ہیں، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن تھیں۔ (اگرچہ انھوں نے اس کی بے بنیاد تاویل کی ہے)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کے واقعہ میں بھی قرآن کریم میں ضمیر مذکر کا استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الۡأَجَلَ وَسَارَ بِأَهۡلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَاراً قَالَ لِأَهۡلِهِ امۡكُثُوا إِنِّي آنَسۡتُ نَاراً لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنۡهَا بِخَبَرٍ أَوۡ جَذۡوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُونَ (القصص:۲۹) (پھر جب پوری کرچکے موسیٰ وہ مدت (بعوض مہر) اور لے کر چلے اپنے گھر والوں کو، تو انھیں طور کی جانب سے آگ دکھائی دی، تو اپنی زوجہ سے کہا تم ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے۔ شاید میں وہاں سے راستہ کا کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ، تاکہ تم سینکو)۔

اس آیت میں دوجگہ اہل کا لفظ آیا ہے اور دونوں ہی جگہ تمام شیعہ بلاکسی تاویل کے متفق ہیں کہ اہل سے مراد حضرت موسیٰ کی زوجہ ہیں جو حضرت شعیب کی بیٹی تھیں۔ (دیکھئے: تفسیر مجمع البیان،

۳۶۴/۷، (الاحزاب:۳۳)، للطبرسی (ابوالفضل بن الحسن)، طبرسی چھٹی صدی ہجری کے فاضل ترین شیعہ علماء میں سے ہیں ان کی تفسیر کئی جلدوں میں شائع ہے۔ ان کے علاوہ قمی (ابوالحسن علی بن ابراہیم) بھی تیسری صدی ہجری کے شیعہ علماء میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور ابتدائی شیعہ مفسرین کے امام ہیں)۔ ان سب کے نزدیک اس جگہ زوجہ موسیٰ مراد ہیں۔ اس جگہ انھوں نے صیغہ مذکر ومونث کی کوئی بحث نہیں کی۔

جہاں تک ان تمام مذکورہ مقامات میں ازواج کو صیغہ مذکر میں مخاطب کرنے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے (قد اجمع اهل اللسان العربی علی تغلیب الذکور علی الاناث فی الجموع ونحوها) عرب میں جب ایک سے زیادہ لوگوں کو خطاب کیا جاتا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوں تو وہاں صیغہ مذکر لایا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کے تحت حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور سردار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زوجات مطہرات کے لیے ضمیر مذکر لائی گئی ہے۔

الغرض اہل بیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے؛ بلکہ آیت کا خطاب ہی ان سے ہے؛ لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی اہل بیت (گھر والوں) میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے روایات، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ زہرا، علی، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی وغیرہ فرمانا اور حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب سے گذرتے ہوئے: الصلاة اهل البیت! اور یرید الله لیذهب عنکم الرجس الخ سے خطاب کرنا اگر سنداً اور درایۃً درست ہے تو وہ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ یہ حضرات بھی اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔ وگرنہ ہجری ۵ یا ۶ کے اوائل میں جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ، علیؓ اور حسنؓ وحسینؓ کو ایک چادر میں لے کر یہ فرمایا تھا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیمار بیٹی زینب جس کا گھر بار سب کچھ اجڑ چکا تھا اپنے بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پناہ لیے ہوئے تھی، حضور اس کو اپنی چادر میں لینے سے کیسے بھول سکتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کے سوا حضور کی تمام بیٹیوں میں ایک وہی حیات تھی، بقیہ دونوں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔

دوسرے یہ کہ واقعہ کساء سے متعلق تمام روایات اکٹھا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک بار کا نہیں؛ بلکہ کئی بار کا ہے۔ اور آیت تطہیر ایک بار نہیں، کئی بار نازل ہوئی۔ اس لیے کہ یہ واقعہ کہیں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر کا بتایا جاتا ہے، کہیں حضرت فاطمہ کے گھر کا اور کہیں حضرت عائشہؓ کے گھر کا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔ ان روایات میں آپس میں اتنا

اضطراب ہے کہ ان سے کسی نتیجہ پر پہنچنا دشوار ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے۔مزید برآں یہ کہ ان تمام روایات کے رواۃ یا تو مجروح ہیں یا ان پر کلام ہے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ امام بخاری اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں، باوجوداس کے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں اس سے متعلق کئی ابواب قائم کیے ہیں۔

ان روایات کو اگر قابل قبول مان لیا جائے تب بھی ان سے حصر کے معنی نہیں نکلتے؛ بلکہ امام قرطبی فرماتے ہیں: فذهب الكلبي ومن وافقه فصيرها لهم خاصةً (تفسیر قرطبی، سورہ احزاب، آیت:۳۳) کلبی (رافضی) اور سبائی ٹولہ ہی اس بات کا مدعی ہے کہ یہ (آیت تطہیر پنج تن کے بارے میں نازل ہوئی)۔

ابن عاشور فرماتے ہیں کہ یہ وہم (پنجتن کا) تابعین کے زمانہ کی دین ہے جو قرآن کریم سے متصادم ہے۔جہاں تک حدیث کساء کی بات ہے کہ اس میں ایسا ایک لفظ بھی نہیں جس سے حصر کے معنی نکلتے ہوں (آیت تطہیر سے صرف پنجتن مراد ہوں)۔صیغہ هؤلاء اهل بيتی مانند کلام الٰہی ان هؤلاء ضيفي (الحجر:۶۸) کے ہے، جس کے معنی یہ نہیں کہ ان کے سوا، اس میں کوئی دوسرا شامل نہیں۔بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اہل بیت (پنج تن) کے معنی کو حدیث کساء سے غصب کیا ہے اور قرآن کریم کو پیچھے چھوڑ دیا۔جس میں ازواج نبوی کو مخاطب کیا گیا ہے۔(تفسیر التحریر والتنویر، تالیف: محمد طاہر بن عاشور، سورہ احزاب، آیت:۳۳)۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ جس طرح حسن وحسین سے محبت کرتے تھے انھیں کندھوں پر بٹھاتے تھے اسی طرح حضرت زینب کی بیٹی امامہؓ اور بیٹے علیؓ سے بھی محبت کرتے تھے (پیچھے گذر چکا کہ) آپؐ امامہ کو گود میں لے کر نماز پڑھتے تھے۔اسی طرح علی بن زینبؓ کو فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر اپنے ساتھ بٹھانے کا اعزاز بخشا تھا؛ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے نبی کے سب سے بڑے نواسے اور نواسی کو جانتی تک نہیں۔حتیٰ کہ اکثر علمائے کرام بھی اپنے خطبات میں ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔اہل بیت میں صرف حسن وحسین شامل ماننا اور حضور کے دوسرے نواسے ونواسیوں کو اس سے خارج کرنا ان کے ساتھ غایت درجہ ناانصافی کی بات ہے۔

آل محمد ﷺ: عربوں میں کسی شخص کے آل سے مراد وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انھیں سب معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے:

آل بمعنی قرابت دار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ

الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ (یوسف:۶) (اور اس طرح تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تم کو معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) سکھائے گا اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے گا اور یعقوب کے گھرانے پر بھی جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تمہارے دادا اور پردادا، اسحاق وابراہیم، کو بھی نعمتوں سے نوازا)۔

اس جگہ آل یعقوب سے مراد حضرت یوسف کے بھائی اوران کی اولاد ہیں۔ جن کی نسل سے اللہ نے سیکڑوں انبیاء مبعوث فرمائے۔

مثال دوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران:۳۳) (بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہانوں کے لوگوں میں سے۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں)۔

اللہ رب العزت نے خود اس آیت میں آل سے نسل اور ذریت کو مراد لیا ہے۔

مثال سوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ (القمر:۳۴) (ہم نے قوم لوط پر عذاب بھیجا سوائے آل لوط کے ہم نے کسی کو نہیں چھوڑا)۔

یہاں آل سے مراد حضرت لوطؑ کی اولاد (بیٹیاں) ہیں؛ کیوں کہ ان کی قوم میں سوائے ان کی دو بیٹیوں کے کوئی ایمان نہیں لایا تھا حتیٰ کہ ان کی بیوی بھی نہیں، جسے اللہ نے عذاب میں ہلاک کر دیا۔

حدیث میں بھی آل کا لفظ حضور کے رشتہ داروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرات حسنین بچپن میں کھجور کے ڈھیر کے پاس کھیل رہے تھے، کھیلتے کھیلتے ان میں سے کسی نے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپؐ کی نگاہ پڑی تو منہ سے کھجور نکلوا دی اور فرمایا: اما علمت ان آل محمد لا یاکلون الصدقة (کیا تمہیں پتہ نہیں کہ آل محمد صدقہ کا مال نہیں کھاتے)۔

آل بمعنی اصحاب و متبعین: قولہ تعالیٰ: وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (البقرہ:۴۹) (اور یاد کرو جب فرعون کے کارندے تمہیں سخت عذاب دیتے تھے)۔

یہاں آل سے مراد فرعون کی پولیس اور حفاظتی دستے ہیں، جو اسرائیلیوں کو پکڑ پکڑ کر سزا دیتے تھے، جنھیں اللہ نے ہلاک کر دیا، ارشاد فرمایا: وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ (البقرہ:۵۰) (اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو (راستہ دینے کے واسطے) بیچ سے پھاڑ دیا، پس تم کو ہم نے نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا)۔

سمندر میں جو لوگ غرق ہوئے تھے، وہ فرعون کا لشکر تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأَتْبَعَهُمْ

فِرۡعَوۡنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ (طٰہٰ:۷۸) (فرعون نے اسرائیلیوں کا پیچھا کیا اپنے تمام لاؤلشکر کے ساتھ پس وہ سمندر کی لہروں میں غرق ہوگیا)۔

اسی طرح جب ملک فرعون میں عذاب آیا تو وہ بھی تمام قوم پر آیا جو فرعون کی پرستش کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین (اعراف:۱۳۰) (ہم نے نافرمانیوں کے سبب فرعون کی قوم کو قحط سالی میں پکڑا)۔ اس جگہ بھی آل فرعون سے مراد فرعون کی قوم ہے جو اللہ کی طرف سے عذاب کا شکار ہوئی۔

اسی طرح ایک آیت میں فرعونیوں کے لیے سخت عذاب کی پیشین گوئی کی گئی، ارشاد ہوا: النَّارُ يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوۡمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدۡخِلُوا آلَ فِرۡعَوۡنَ أَشَدَّ الۡعَذَابِ (الغافر:۴۶) (فرعونیوں پر ان کے بعد مرنے کے پیش کی جاتی ہے آگ ہر صبح وشام اور جب قیامت ہوگی تو کہا جائے گا کہ سخت عذاب (نارجہنم) میں داخل ہوجاؤ)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آل سے مراد خاندان ہی نہیں؛ بلکہ متبعین بھی ہیں۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر آل فرعون کا لفظ آیا ہے، ان میں کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں؛ بلکہ وہ سب مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کے طرفدار تھے۔

یہ لفظ حدیث میں ازواج مطہرات کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، صحیح بخاری میں ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ما امسی عند آل محمد ﷺ صاع بر ولا صاع حب وان عنده لتسع نسوة (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئۃ) (کوئی شام آل محمد ﷺ پر ایسی نہیں گذرتی تھی جب ان کے پاس ایک صاع گیہوں یا کوئی دوسرا اناج ہو؛ جبکہ آپ کی نو بیویاں تھیں)۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: انا کنا آل محمد لنمکث شهرا ما نستوقد بنار ان هو الا التمر والماء (صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقاق، باب ما بین النفختین) (ہم آل محمد کے گھروں میں ایک ایک مہینہ گذر جاتا تھا چولھا نہیں جلتا تھا، صرف کھجور اور پانی پر گذارا کرتے تھے)۔

معلوم ہوا کہ لفظ ''آل'' اقرباء وازواج رسول ﷺ اور اصحاب ومتبعین سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، صرف رشتہ داروں کے لیے نہیں۔

کلمہ اہل اور آل میں فرق: کسی شخص کے اہل بیت وہ ہوتے ہیں جو اس کے قریبی اور رشتہ دار ہوں، خواہ وہ اس کے متبع ہوں یا نہ ہوں اور آل وہ کہلاتے ہیں جو کسی کے متبع ہوں خواہ وہ رشتہ دار ہوں

یا نہ ہوں۔ دوسری بات یہ کہ آل عام لوگوں کی اولاد کے لیے استعمال نہیں ہوتا، یہ صرف شاہان مملکت اور عظیم شخصیات کی اولاد اوران کی نسل یا ان کے اصحاب و متبعین کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

درودابراہیمی میں آل کے معنی: نماز میں پڑھے جانے والے درود میں آل محمد وآل ابراہیم کا مطلب اوراس کی تفصیل میں جانے سے پیشتر یہ جان لینا مناسب ہے کہ غیر نبی پر درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

درود علیٰ غیرالنبی: صحیح بخاری میں امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا: هل يصلى على غيرالنبى ﷺ (کیا غیر نبی پر درود بھیجا جاسکتا ہے؟) اور پھراس کے تحت درج ذیل حدیث لائے ہیں: عن ابن ابى اوفى قال كان اذا اتى رجل النبى ﷺ بصدقة قال اللّٰهم صل عليه فاتاه ابى بصدقة فقال اللّٰهم صل على آل ابى اوفى (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب ہل یصلی علی غیرالنبی) (حضرت ابن اوفی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس جو کوئی صدقہ لے کر آتا تو آپ فرماتے، اے اللہ اس پر صلاۃ (رحمت) نازل فرما۔ اسی دوران میرے والد (ابواوفی) بھی صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ آل ابی اوفی پر صلاۃ (رحمت) نازل فرما)۔

اسی طرح امام ابوداؤد نے ترجمۃ الباب قائم کیا: الصلاۃ علی غیرالنبی ﷺ۔ اس باب کے تحت امام ابوداؤد یہ حدیث لائے ہیں: عن جابر بن عبد اللّٰهؓ ان امرأة قالت للنبى ﷺ صل علىّ و على زوجى فقال النبى ﷺ وعلى زوجك (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، (باب تفریع ابواب الوتر) باب الصلاۃ علی غیرالنبی) (اک عورت نے کہا کہ میرے اور میرے شوہر کے لیے دعاء رحمت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم پر اور تمہارے خاوند پر رحمت نازل فرمائے)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں حضور کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنا جائز ہے؛ لیکن مستقلاً اور علیحدہ طور پر درود علی غیرالنبی کے سلسلہ میں اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ درست نہیں۔ یہ رائے امام مالک امام شافعی اور احناف سے منقول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ما اعلم الصلاة ينبغى على احد من احد الا على النبى ﷺ (فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب ہل یصلی علی غیرالنبی ﷺ) (رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے سوا کسی پر بھی تنہا درود پڑھنا درست نہیں)۔

حضرت ابن عباس غیر نبی پر درود بھیجنے کو جائز اس لیے نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں شیعہ صرف اپنے ائمہ کے نام پر ہی درود پڑھنے لگے تھے، ان کے ساتھ وہ حضور ﷺ کو بھی شریک نہیں

کرتے تھے جو ایک طرح کا غلو تھا۔ (جلاء الافہام لابن قیم، باب السادس، فصل: وہل یصل علی آلہ منفردین)

انھیں وجوہات کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ملکی سطح پر اس فعل کو ممنوع قرار دیا۔ آپؒ نے اپنے اعمال کو لکھا اما بعد،فان ناسا من الناس قد التمسوا الدنیا بعمل الآخرة وان من القصاص قد احدثوا فی الصلوة علی خلفائهم وامرائهم عدل صلاتهم علی النبی ﷺ فاذا جاءك كتابی فمرهم ان تكون صلاتهم علی النبيين ودعائهم للمسلمين عامة (جلاء الافہام لابن قیم، باب السادس، فصل: وہل یصلی علی آلہ منفردین) کہ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ اعمال آخرت کے ذریعہ دنیا حاصل کرتے ہیں،ان میں سے بعض واعظین نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ وہ نبی پر درود بھیجنے کے بجائے اپنے خلفاء اور امراء کے لیے صلاۃ کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں، میرا یہ خط پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو اس فعل سے روک دو اور انھیں حکم دو کہ وہ صلاۃ کو انبیاء کے لیے محفوظ رکھیں اور عام مسلمانوں کے لیے دعا۔

خلاصہ یہ کہ اب چونکہ یہ اہل اسلام کا شعار بن چکا ہے کہ وہ صلاۃ وسلام کو انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص کرتے ہیں، اس لیے جمہور امت کا یہ فیصلہ ہے کہ نبی کے سوا کسی کے لیے درود بھیجنا جائز نہیں)

آل محمد کے معنی: آل محمد سے مراد آپ ﷺ کے خاندان والے ہی نہیں؛ بلکہ اس میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جو آپ کے پیرو ہوں اور آپ کے طریقے پر چلیں، خواہ وہ آپ ﷺ کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں: واختلف العلماء فی آل النبی ﷺ علی اقوال اظهرها وهو الاختيار الازهری وغيره من المحققين انهم جميع الامة والثانی بنوهاشم وبنو المطلب والثالث اهل بيته ﷺ وذريته (صحیح مسلم شرح نووی، باب الصلاۃ علی النبی) (علماء نے آل نبی ﷺ کے معنوں میں اختلاف کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی اقوال وارد ہیں، ان میں راجح قول وہ ہے جسے ازہری اور دوسرے محققین نے اختیار کیا ہے کہ آل سے مراد تمام امت ہے)۔

اسی قول (راجح) کو امام مالک، حافظ ابن عبدالبر، احناف اور امام ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ صحابی رسول حضرت جابر عبداللہ ان اولین لوگوں میں سے ہیں جن سے یہ قول منقول ہے۔ چنانچہ امام بیہقی اور سفیان ثوری نے حضرت جابرؓ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے جلاء الافہام لابن قیم، باب السادس، فصل:

وہل یصلی علی آلہ منفردین)۔اسی طرح عرب اسکالر شیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا: اذا ذکر الآل وحده فالمراد جمیع اتباعه علی دینه (مجموع فتاویٰ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین، باب صلاۃ التطوع،۱۵۶،سعودی عرب،۱۹۹۹)(جب لفظ آل تنہا مذکور ہوتو اس سے مراد جملہ متبعین دین ہیں)۔

درود ابراہیمی میں آل محمد سے اگر صرف بنو ہاشم و بنو مطلب مراد لیے جائیں، جونسبا آل محمد ہیں، تو اس میں نیک و بد اور مومن و کافر سب شامل ہوجائیں گے۔ دوسری طرف آل ابراہیم میں مغضوب وضالین بھی شریک ہوجائیں گے جونسبا آل ابراہیم ہیں؛ حالاں کہ قرآن میں فرمایا گیا: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَـذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَاللّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران:٦٨) (ابراہیم سے قرب رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور پیغمبر آخرالزماں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے)۔

لہٰذا آل ابراہیم و آل محمد میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جو متبع شریعت ہیں، نہ کہ وہ جو دین میں غلو کرتے ہیں اور آیات الٰہیہ میں تحریف؛ بلکہ وہ متبع رسول ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر جسے اللہ نے اتارا اور اپنے گذرے ہوئے بھائیوں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا (الحشر:۱۰)۔ (اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان دینی بھائیوں کی جو ہم سے پہلے گذر چکے اور نہ پیدا فرما ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کسی طرح کا بغض)۔

❁ ❁ ❁

دفاع سیرت طیبہ

(۳)

از: مولانا اشرف عباس قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

قرآن مجید کے تورات وانجیل سے ماخوذ ہونے کا مغالطہ

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے بہت سے مستشرقین نے وحی اور قرآن کی مصدریت کا انکار کرتے ہوئے اس کو وحی ربانی اور کلام الٰہی ماننے کے بجائے اس کو نعوذ باللہ! خود پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق وتالیف قرار دینے پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے؛ بلکہ سابقہ آسمانی کتابوں تورات وانجیل اور بحیرا راہب وورقہ بن نوفل سے حاصل کردہ علوم سے ماخوذ ہے: چنانچہ مستشرق گولڈزہیر کہتا ہے: ''نبی عربی نے جو کچھ بھی پیش کیا اوران مذہبی معلومات اور آراء کا خلاصہ وآمیزہ ہے جسے انھوں نے یہودی اور مسیحی عناصر سے روابط کی وجہ سے حاصل کیا ہے اور منتخب کرکے خاص ترتیب سے پیش کردیا ہے'' (نقد الخطاب الاستشراقی، دارالدارالاسلامی، ص۳۰۳)

ہرشفلید نے اپنی کتاب ''العناصر اليهودية في القرآن'' میں اس بات پر زور صرف کردیا ہے کہ قرآن کریم انجیل کا ہی ایک ایڈیشن ہے جس کو دوسرا نام دیا گیا ہے۔''

مستشرق جوزیف نے الزام عائد کیا ہے کہ امانة، بركة، تبارك، كفارة، جبار، جنات عدن وغیرہ الفاظ ہیں جو عبرانی زبان کے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکہ اور مدینہ میں یہود سے حاصل کیا ہے'' (المستشرقون والدراسات القرآنية: احمد العلوی)

مغالطے کی تردید: قرآن وکتب سابقہ کی تعلیمات کا موازنہ

توراۃ وانجیل سے قرآن مقدس کے ماخوذ ومقتبس ہونے کے الزام کے غلط ہونے کے لیے اخذ واقتباس کے مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے۔ کسی بھی کتاب سے اخذ واقتباس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی کسی فکر کو کلی یا جزئی طور پر اس طرح نقل کیا جائے کہ ناقل اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہ

کرے؛ لیکن اگر ناقل اپنی طرف سے کچھ اضافہ کردے یا بعض افکار وخیالات کی تعدیل وتصحیح کردے تو اسے نقل اور اقتباس کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن مقدس میں اور کتب سابقہ کا مصدر ایک ہونے کے سبب واقعات کی یکسانیت اچنبھے کی بات نہیں ہے؛ لیکن ان واقعات میں بھی کہیں مکمل طور پر یکسانیت نہیں ہے؛ بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مقدس تناقضات، پرانے روایتی افسانوں، فرضی قصوں اور ہر طرح کی بے ہودگیوں سے بالکل پاک ہے؛ جب کہ دوسری کتابوں میں موجود مشرکانہ توہم پرستی اور مخلوق وخالق کے درمیان برابری کا تصور خود بتلاتا ہے کہ انسانی اختراع نے اس پر خوب ہاتھ صاف کیا ہے۔ مثال کے طور پر تورات میں خدا اور جیکوب کے درمیان کشتی کے ایک انوکھے مقابلے کا حال بیان کیا گیا ہے، جس میں جیکوب خدا کو عاجز کردیتا ہے اور خدا اپنی تمام قدرت، الوہیت اور طاقت کے ایک فانی انسان کو جسمانی طور پر شکست نہیں دے پاتا ہے۔'' (پیدائش: ۳۲: ۲۴-۲۸)

''خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا، سو اس نے کوہستانیوں کو نکال دیا؛ لیکن وادی کے باشندوں کو نہ نکال سکا؛ کیوں کہ ان کے پاس لوہے کے رتھ تھے'' (قضاۃ ۱۵: ۱۹)

بائبل کے مطابق خدا نے یعقوب کی محبت میں ''عیسو سے عداوت رکھی۔ اس کے پہاڑوں کو ویران کیا اور اس کی میراث، بیابان کے گیدڑوں کو دے دی'' (ملاکی ۱: ۲-۳)

کیا قرآن کریم میں اس طرح کی واہیات کہانیاں اور بے ہودہ باتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ پاک کے منتخب بندے اور اس کی مرضی کے نمائندے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم ان کی عظمت وتقدس کو جابجا بیان کرتا اور ان کے دامن عفت کو داغ دار کرنے کی ہر کوشش کی جڑیں کاٹ دیتا ہے؛ جب کہ دوسری کتابوں میں نہ جانے کیسی کیسی خرافات اور حیا سوز واقعات اس مقدس گروہ کے پاکباز افراد سے منسوب کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کی گئی ہے:

''اس (نوح) نے شراب پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا؛ حتیٰ کہ ان کے بیٹے حام نے انھیں اس حالت میں دیکھا'' (پیدائش ۶: ۹، ۹: ۲۰-۲۲)

بائبل کے بیان کے مطابق لوط کی دو سگی بیٹیوں نے انھیں شراب پلائی اور باری باری ان سے ہم آغوش ہوئیں۔ (نعوذ باللہ) (پیدائش: ۱۹: ۳۰-۳۸)

''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی قوموں کی عورتوں سے محبت کرنے لگا اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کرلیا اور اس کا دل خدا کے ساتھ کامل نہ

رہا جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا دل تھا‘‘ (اسلاطین ۱۱:۱-۶) (تورات وانجیل کے قصے، الحاد ڈاٹ کام)

کیا قرآن مقدس میں ان خرافات کے لیے جگہ ہوسکتی ہے۔ اس نے تو ایسی تمام یہودی روایات کو سرے سے خارج کر کے انبیاء کرام کی عظمت اور ناموس کو اپنی بنیادی تعلیمات میں شامل کر رکھا ہے۔ قرآن نے ان سب کی رسالت وصداقت کی گواہی دی ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" (آل عمران:۳۳)

’’اور بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہاں پر‘‘

"وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطاً وَكُلاًّ فضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ" (الأنعام:۸۶)

’’نیز (ہم نے ہدایت کی) اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہاں والوں پر ہم نے فضیلت دی‘‘

اسی طرح یہودی ہرزہ سرائیوں کی تردید اور سلیمان علیہ السلام کی تنزیہہ کے لیے قرآن مقدس نے جہاں ان کی غیر معمولی شان وشوکت اور حکومت وسلطنت کا تذکرہ کیا وہیں ان کے علم وانابت پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی۔

"ولقد آتینا داود و سلیمٰن علمًا" (النمل:۱۵) ’’اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا‘‘

"نعم العبد، إنه أوّاب" (ص:۳۰)

’’سلیمان بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے‘‘

قصص وواقعات کے بیان میں اس قدر واضح فرق اور عقیدۂ توحید کی ترسیخ میں قرآن کے خاص امتیاز اور کتب سابقہ کی تغلیط کے باوجود اس قرآن کو انہی کتب محرفہ کا ایڈیشن اور انہی سے ماخوذ قرار دینا ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کے علاوہ کچھ نہیں۔

تردید:۲

اسلام سے پہلے عہد قدیم (تورات) کے کسی عربی ترجمے کا وجود نہیں ملتا ہے، خود مستشرقین نے اس کی صراحت کر رکھی ہے؛ چنانچہ جوٹن یہودی صحائف کے بارے میں کہتا ہے: ’’یہ سارے صحیفے اجنبی زبان میں لکھے ہوئے ہیں اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں اس کی وضاحت ہے کہ اسلام سے پہلے یہود کی مقدس کتابوں کے عربی ترجمے کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔ پہلا عربی ترجمہ عباسی دور خلافت کے آغاز میں ہوا ہے، ورنہ یہ ساری کتابیں عبرانی زبان میں تھیں۔‘‘

تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبرانی توراۃ سے کیسے استفادہ کرلیا؟ اب تو مستشرقین کو ایک نیا جھوٹ گڑھنا پڑے گا کہ رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم عبرانی زبان سے بھی واقف تھے اور عربی میں اس کا ترجمہ کرتے تھے۔ (اسلام سوال وجواب: شیخ محمد صالح المنجد)

تردید:۳

یہود ونصاریٰ کے دعوائے نقل کی تردید کے لیے واضح دلیل قرآن کریم کا بار بار یہ چیلنج ہے کہ اگر قرآن انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو وہ بھی اس جیسا کلام پیش کردیں! اگر اس قرآن کی اصل ان یہود ونصاریٰ کے پاس تھی تو انھیں قرآن کا چیلنج قبول کرکے تورات وانجیل سے اس جیسا کلام پیش کرنے کا زریں موقع ہاتھ سے بالکل نہ جانے دینا چاہیے تھا۔ قرآن کا یہ چیلنج آج بھی باقی ہے:

"قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً" (الإسراء:۸۸)

''آپ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہوجاویں کہ ایسا قرآن بنالائیں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جاویں''۔

تردید:۴

اگر قرآن کریم کتب سابقہ سے ماخوذ ہوتا تو کیا رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کا چیلنج دے سکتے تھے؟ کیا اس کا اندیشہ نہ رہتا کہ قرآن کی اصل تو لوگوں میں موجود اور متداول ہے تو ہوسکتا ہے کہ کوئی بھی اصل سے مراجعت کرلے اور چیلنج کا جواب لے آئے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پوری قوت اور انشراح کے ساتھ خدا کے پیغمبر ﷺ نے چیلنج کیا اور ان مدعیوں سے آج تک جواب نہ بن پڑا!

تردید:۵

قرآن کریم کے بعض احکام وشرائع کا تورات وانجیل اور عربوں کی روایات سے ہم آہنگ ہونا؛ اس بات کی دلیل نہیں کہ قرآن کریم انہی سے ماخوذ ہے۔ اس لیے کہ قرآن ہر چیز کو ختم کردینے کے لیے نہیں آیا ہے؛ بلکہ اس کا ہدف غلطی کی تصحیح اور حق کی تثبیت ہے؛ چنانچہ اسلام نے عربوں میں موجود صفات حمیدہ سچائی، شجاعت، سخاوت اور حلم ورحمت وغیرہ کو بدلنے کے بجائے ان کی مزید ترغیب دی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخلاقِ"، ''مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں''۔

اس لیے فطری بات ہے کہ قرآن نے بعض احکام وشرائع کو باقی رکھا ہے، خواہ اس کا تعلق کتب

سابقہ سے ہو یا لوگوں کے عرف وتعامل سے؛ البتہ کسی غلط بات کی قرآن تصدیق نہیں کرتا ہے۔ خود ارشاد ربانی ہے: "وَمَا كَانَ هَـٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَـٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ" (یونس:۳۷) ''اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو؛ بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی بات شک کی نہیں، رب العالمین کی طرف سے ہے۔''

تردید:۶

قرآن کریم میں بعض ایسے حقائق و واقعات بھی ہیں جن کا یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، مثلاً ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے واقعات، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر یہ واقعات کہاں سے بیان کردیے؟

تردید:۷

کئی بار ایسا ہوا ہے جیسا کہ اسباب نزول کی تفصیلات سے واضح ہے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آگیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کرلیا گیا، فوراً ہی وحی کے آثار شروع ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت نازل شدہ آیت کریمہ پڑھ کر سنادی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ تورات وانجیل سے اخذ کررہے ہوتے تو ایسے مواقع پر مرتجلاً حکم ربانی نہ پیش کردیتے؛ بلکہ وقت لیتے اور اصل کتاب سے مراجعت کے بعد ہی بتاتے۔

بحیرا اور ورقہ کی شاگردی کا فسانہ

بعض مستشرقین نے اپنے افتراءات والزامات کو سند دینے کے لیے یہ بھی گڑھ لیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل کی تعلیمات بحیرا راہب اور ورقہ بن نوفل کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں اور یہی دونوں آپ کے معلم اور قرآن کریم کا مصدر وذریعہ ہیں؛ چنانچہ روسی مستشرق الیکس نے اس طرح افسانہ سازی کی ہے ''ابتدا میں محمد بحیرا راہب سرجیوس کے شاگرد تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے انہی سے تورات وانجیل کی بنیادی معلومات حاصل کیں۔'' (الاسلام والمسیحیۃ، الیکس، ص۶۱)

اسی طرح منٹگمری واٹ نے لکھا ہے کہ ورقہ بن نوفل جو ایک مذہبی آدمی تھے اور عیسائی ہوگئے تھے؛ ان سے محمد متأثر رہے اور اصول دین کو حاصل کیا۔'' (محمد فی مکۃ: ۷۵)

بحیرا سے شاگردی کی نسبت غلط ہونے کی دلیل

بحیرا راہب کی شاگردی کا جو افسانہ گڑھا گیا ہے اس کی تردید کے لیے اتنا کافی ہے کہ تاریخی طور سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو بار شام کا تجارتی سفر کیا ہے ایک بار کم سنی میں اور دوسری مرتبہ جوانی میں۔ دونوں ہی سفر میں بصریٰ کے بازار سے آگے جانا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی بحیرا یا کسی اور راہب سے دین و مذہب سے متعلق کوئی چیز سننا ثابت ہے اور وہاں کا یہ سفر خفیہ بھی نہیں تھا۔'' (مناہل العرفان زرقانی:۳۲۶/۲)

دلیل:۲

بحیرا راہب اگر ایسے عظیم معلم اور باکمال شخص تھے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نقشہ سازی کی، تو عیسائیوں کے یہاں ان کی حیات و خدمات بھی متعارف ہوتیں اور حق وصداقت کی یہ آواز مکہ کے بجائے بصریٰ سے لگائی جاتی۔

دلیل:۳

اگر بصریٰ میں اس راہب کے پاس رک کر تعلیم حاصل کی ہوتی تو اس سفر سے واپسی کے بعد مکہ میں یہ بات معروف اور متعارف ہوتی اور آپ کے دعویٰ نبوت کے بعد مشرکین اس الزام کو خوب زور و شور سے اٹھاتے کہ آپ نے تو فلاں راہب سے یہ سب کچھ حاصل کر رکھا ہے؛ لیکن مشرکین نے ہزار طعن کے باوجود کبھی یہ الزام عائد نہیں کیا۔

قاضی محمد سلیمان منصورپوری فرماتے ہیں: پادری صاحبان نے اتنی بات پر ''بحیرہ نصرانی ملا تھا'' یہ شاخ و برگ اور بھی لگا دیئے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کی تھی، وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تثلیث اور کفارہ کا رد، مسیح علیہ السلام کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔'' (رحمۃ للعالمین ۲۹/۱، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

ورقہ بن نوفل کبھی آپ کے معلم نہیں رہے

وجہ:۱- اسی طرح ورقہ بن نوفل کے سلسلے میں منٹگمری واٹ نے جو دعویٰ کیا ہے وہ بھی سراسر جھوٹ ہے؛ اس لیے کہ کہیں سے یہ ثابت نہیں کہ ورقہ عیسائیت کے داعی اور مبلغ تھے؛ اس لیے انھوں نے حضرت خدیجہؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائیت سے متاثر کر دیا تھا؛ بلکہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ پہلی وحی کے بعد حضرت خدیجہؓ جب آپ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دینے کے بجائے کہا: ''هذا الناموس الذي نزّل الله على موسىٰ''

(صحیح البخاری کتاب بدء الوحی) یعنی یہی وہ مقدس فرشتہ ہے جسے اللہ پاک نے وحی لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔''

وجہ:۲-خود ورقہ نے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی تھی کہ یہ پیغام، اللہ رب العزت کی طرف سے ہے۔اس میں آپ کے ارادے اور عمل کو دخل نہیں۔اس حقیقت کے باوجود مستشرقین وحی کا مصدر خود ورقہ کو قرار دینے پر مُصر ہیں۔

وجہ:۳-ورقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات وحی کے نزول کے بعد ہوئی ہے،تو ملاقات سے پہلے جو وحی آ گئی وہ ورقہ کی تعلیم کیسے ہوسکتی ہے؟ اوراس سے پہلے بھی آپ ان سے ملتے رہے ہوں،تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں۔(وحی اللہ حقائقہ وخصائصہ،ص۱۴۶)

نزول وحی کی ابتدا میں اس ملاقات کے بعد ہی ورقہ انتقال کر گئے تھے۔تو اس کے بعد وہ کیسے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتے رہے؛ جب کہ وحی کا سلسلہ تو آگے تیئیس سال تک جاری رہا۔

بعض مستشرقین کا اعتراف حقیقت

قرآن کو تورات وانجیل اور بحیرا و ورقہ کی تعلیمات سے ماخوذ قرار دینے کا نظریہ اس قدر غلط اور جھوٹا ہے کہ خود مستشرقین کی ایک جماعت بھی اس کے خلاف میدان میں آ گئی؛ چنانچہ انگریز مستشرق لائٹنر کہتا ہے:''مجھے یہود ونصاریٰ کے دین سے جتنی واقفیت ہے اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ محمد کا علم اس سے ماخوذ نہیں ہے؛ بلکہ بلا کسی شک وشبہ کے وہ وحی ربانی ہے۔'' ہنری دی کاسٹری کہتا ہے:''یہ بات محقق ہوچکی ہے کہ محمد نے کسی کتاب مقدس کو نہیں پڑھا اور نہ اپنے دین کے سلسلے میں کسی سابق مذہب سے استفادہ کیا ہے''(دیکھیے: الطعن في القرآن الكريم والرد على الطاعنين، ص٤٦، شامله)

مستشرق کارلائل بحیرا راہب کے تعلق سے جو پروپیگنڈا کیا گیا ہے؛اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں اس راہب سرجیوس بحیرا کے متعلق کیا کہوں جس کے بارے میں خیال ہے کہ ابوطالب اور محمدؐ اس کے ساتھ ایک مکان میں ٹھہرے اور نہ یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ایک کم سن لڑکا اس چھوٹی سی عمر میں کسی بھی راہب سے کچھ حاصل کرسکتا ہے؟''(محمد المثل الأعلى نوماس كارليل، ص٢٣)

(جاری)

❀ ❀ ❀

افادات صدیق

علمی واصلاحی وتربیتی ارشادات

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب: مفتی محمد زید مظاہری، ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حقیقی عالم کی تعریف

ارشاد فرمایا عالم وہ نہیں ہے جس کے اندر محض علم ہو، حقیقی عالم وہ ہے جس کے اندر علم کے ساتھ عمل اور خوف خدا، خشیت الٰہی ہو، اگر اس کے دل میں خوف خدا اور خشیت الٰہی نہیں تو وہ عالم عالم نہیں اور خوف خدا کی علامت یہ ہے کہ اس کا ظاہر صالح ہو، یعنی اعمال صالحہ کا اس سے ظہور ہوتا ہو، بے عمل کو عالم نہیں کہتے، محض علم عمل کا ذریعہ نہیں، عمل کرانے والی چیز تو خوف خدا اور خشیت الٰہی ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر وخوف نہ ہو اس کی عملی زندگی درست نہیں ہوسکتی۔

اصلاح وتبلیغ کے لیے پہلے ذہن سازی کرنا چاہیے

حضرت کے سامنے ایک صاحب کا تذکرہ ہوا کہ وہ ہر عالم کو تنقیدی انداز میں یہی کہا کرتے ہیں کہ تم کو اپنے علاقہ میں دین کا کام کرنا چاہیے، اپنی برادری اور خاندان کی خبر لینی چاہیے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: دین کا کام کرنا آسان نہیں ہے، ہر جگہ کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں، اصلاح سختی سے اور محض بات کہہ دینے سے نہیں ہوتی، کسی کی اصلاح کے لیے پہلے مزاج بنانا پڑتا ہے، ذہن سازی کرنا پڑتی ہے، اس سے قرب اور اس کا اعتماد حاصل کرنا پڑتا ہے، پھر نرمی سے بات کرنا پڑتی ہے، محض سخت بات کہہ دینے سے اصلاح نہیں ہوتی، اس کے لیے بڑے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں، بہت

کچھ برداشت کرنا اور سننا پڑتا ہے، جب پہلے قرب حاصل کیا جائے گا تو لوگ بات سنیں گے، قبول کریں گے، اس کا اثر بھی لیں گے۔

علمی اور تصنیفی کام کرنے والوں کے لیے اہم نصیحت

فرمایا: کام تو گمنامی ہی میں ہوتا ہے، جہاں کوئی جاننے والا بھی نہ ہو، لوگوں کی زیادہ آمد و رفت نہ ہو دلجمعی اور یکسوئی ہو، کوئی مفید بات ذہن میں آئے اس کو فوراً لکھ لینا چاہیے، اگر بروقت نہ لکھا جائے تو بسا اوقات بعد میں سوچنے کے بعد بھی وہ بات یاد نہیں آتی، میں نے ایک آیت سے استنباط کیا تھا کہ لوگوں کے درمیان صلح وصفائی، اتحاد و اتفاق کیسے کرانا چاہیے، اُس آیت سے صلح کرانے کا طریقہ معلوم ہوتا تھا، اس کا حاصل یہ تھا کہ جن لوگوں میں باہم اختلاف ہے ان کے سابقہ تعلقات و روابط کو بیان کیا جائے کہ تمہارے آپس کے کیسے ہمدردانہ تعلقات تھے، ایک دوسرے کے ساتھ کیسی ہمدردیاں تھیں، اور اب کیا سے کیا ہو گیا۔ اس طرح کے ان کے باہمی تعلقات اور محبتوں کا ذکر کر کے صلح کرانے کی کوشش کی جائے۔ یہ مضمون قرآن پاک کی ایک آیت سے سمجھ میں آیا تھا؛ لیکن اب بہت سوچ رہا ہوں وہ آیت یاد نہیں آرہی، اس کے علاوہ اس کا کوئی علاج ہے ہی نہیں کہ جو بات ذہن میں آئے اس کو فوراً یادداشت کے طور پر لکھ لے، اشارۃً ہی لکھ لے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہی معمول تھا کہ رات میں اگر ان کی آنکھ کھلی اور اس وقت کوئی بات ذہن میں آئی تو اسی وقت اٹھتے چراغ روشن کر کے اس بات کو یادداشت کے طور پر نوٹ فرما لیتے تھے، دیا سلائی اسی مقصد سے سرہانے رکھ کر سوتے تھے۔

ضرورت وحالات کے لحاظ سے بدنظمی بھی ایک نظم ہے

حضرت عامل نہیں ہیں؛ لیکن لوگ دعا تعویذ کے لیے بہ کثرت اپنی پریشانیوں کو لے کر آتے ہیں تو حضرت ان کو مایوس نہیں فرماتے؛ بلکہ حدود جواز میں رہتے ہوئے لوگوں کو تعویذ بھی دے دیتے ہیں؛ لیکن یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ ہر وقت تعویذ والوں کا ہجوم ہونے لگا، ہتھورا بستی دیہات ہے، سواریوں کی قلت ہے آنے جانے والوں کو سخت پریشانی ہوتی ہے اس لیے لوگوں کے ساتھ ہمدردی کے پیش نظر تعویذ کے لیے آنے والوں کا کام حضرت جلدی فرما دیتے ہیں تاکہ جلدی واپس ہو جائیں؛ لیکن اس کی وجہ سے پریشانیاں بڑھ گئیں، ہر وقت تعویذ والوں کا ہجوم رہنے لگا، کئی مرتبہ حضرت نے

اعلان لگوایا کہ یہ کام میں نے بند کر دیا ہے، اب کوئی صاحب اس غرض سے نہ آئیں؛ لیکن ضرورت مند لوگ جب آجاتے تو حضرت از راہ شفقت ومروّت ان کو محروم نہ فرماتے، یہ بات بھی حضرت کے پیش نظر رہتی تھی کہ دوسری جگہ جا کر لوگ قبر پرستی شرک اور دوسرے محرمات میں مبتلا ہوں گے، نیز بعض باطل فرقہ والے بریلوی طبقہ سے منسلک اور متعصّبانہ ذہن رکھنے والے غیر مسلم آتے تھے مصلحتاً حضرت ان کو بھی قریب کرتے، دلجوئی بھی کرتے اور تعویذ بھی دیتے، اس طرح پورے علاقہ میں مخالفین اور متعصبین کی مخالفت اور تعصب ختم ہوگیا یا کم ہوگیا، دوسرے مخلوق کی خدمت بھی پیش نظر رہتی تھی، ان وجوہات کی بنا پر حضرت اپنے ذوق ومزاج کے خلاف تعویذ لکھ دیا کرتے تھے۔

لیکن اس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے اور دوسرے ضروری کاموں میں حرج ہونے لگا تھا، ایک موقع پر حضرت نے فرمایا: ایسا کہیں نہیں ہوتا ہوگا، جیسی بدنظمی یہاں ہے کہ ہر وقت تعویذ، ہر وقت تعویذ، اتنے وقت میں تو ایک کتاب لکھ جائے۔ سیکڑوں کام ہیں؛ لیکن بدنظمی کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے، مجبوری کی وجہ سے آنے والوں کا کام جلدی کرنا پڑتا ہے تاکہ جلدی واپس جائیں ورنہ پھر ان کے قیام وطعام کا مسئلہ ہوتا ہے، ابھی چندروز قبل میں ہردوئی گیا تھا حضرت مولانا ابرارالحق صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہاں تو نظم ہی نظم ہے اور ہمارے یہاں بدنظمی ہی بدنظمی ہے، حضرت نے فرمایا: آپ کے یہاں حالات کے مطابق یہ بدنظمی بھی تو ایک نظم ہے، حضرت نے مولانا ابرارالحق صاحب کے انتظام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں دیکھا آئی ہوئی ڈاک ترتیب سے رکھی ہوئی ہے یہ یوپی کی ڈاک ہے یہ آندھرا پردیش کی ہے، ہر صوبہ کی ڈاک علاحدہ علاحدہ ترتیب سے رکھی ہے، جب وقت ملے گا ترتیب سے ڈاک لکھتے رہیں گے، ہر کام کا وقت مقرر ہے، اصل میں حضرت کے یہاں افراد ہیں، کچھ کام کرنے والے اسی کام کے لیے مقرر ہیں، ہمارے پاس اتنے آدمی کہاں، اللہ تعالیٰ جس کو جس حال میں رکھے وہی بہتر ہے، اللہ کے فیصلہ پر سب کو راضی رہنا چاہیے۔

تعلیم وتدریس کے وقت چھوٹے بچوں سے دُلار وپیار وملاعبت نہیں کرنا چاہیے

حسب معمول حضرت سبق پڑھا رہے تھے، مہمانوں کے ہجوم کی وجہ سے گھر جانے کا وقت کم ملتا تھا، گھر کے چھوٹے بچوں، پوتوں، نواسوں کو کبھی گھر سے بلالیا کرتے تھے، شفقت محبت دلار پیار کرتے، کبھی گود میں لیتے، تقبیل فرماتے، کچھ کھانے کی چیزیں دیتے، فرماتے اس عمر میں عائلی زندگی اچھی ہوتی ہے، اطباء نے ایسی زندگی کو کہ چھوٹے بچے (پوتے نواسے) ساتھ ہوں، ان سے جی

بہلائے، اس کو صحت کے لیے مفید بتلایا ہے۔ الغرض حضرت عادت کے مطابق گھر سے نواسوں کو گھر سے بلایا، وہ آئے، اس وقت حضرت سبق پڑھا رہے تھے، حضرت نے ان کو گود میں لیا، بچوں کو کھلاتے بھی جاتے تھے اور سبق بھی پڑھاتے جاتے تھے؛ لیکن بچہ کی بچکانہ حرکت، اچک پھاند، سے سبق میں خلل واقع ہو رہا تھا، طلبا، بھی ادھر متوجہ ہو جاتے تھے، وہ خاموش نہیں بیٹھ رہا تھا اس سے سبق میں خلل ہوا، حضرت نے فرمایا آج تو میں نے ایسی غلطی کر دی ہے کہ تم کو ایسے وقت میں بلا لیا ہے، آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا، علاقائی زبان میں فرمایا کہ میں کان پکڑتا ہوں اب کبھی بھول سے بھی سبق کے وقت میں تم کو نہیں بلاؤں گا۔

سبق ناغہ ہونے پر رنج وغم اور ملال

تعلیم کے وقت علی الصباح پہلے گھنٹے میں ایک مدرس چھٹی کی درخواست لے کر آئے کہ فلاں مدرسہ میں امتحان کے لیے جانا ہے، رخصت چاہیے، حضرت نے فرمایا اگر آپ کو جانا ہی ہے تو اسباق پڑھا کر دوپہر کو چلے جایئے تاکہ طلبا کے اسباق کا ناغہ نہ ہو، یا اگر جلدی ہی جانے کا پروگرام تھا تو طلبا کو کچھ پہلے ہی اسباق پڑھا دیتے، ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کچھ نہیں آج کل لوگوں کے ذہنوں میں سبق کی اہمیت ہی نہیں، سبق کا ناغہ ہو تو ہوا کرے کچھ پرواہ نہیں، دوسرے مدرسہ میں امتحان لینے جارہے ہیں اور یہاں طلبا آزادانہ پھرتے رہیں گے اس کی کچھ فکر نہیں۔

ششماہی امتحان کے بعد لمبی تعطیل

فرمایا: اب ایک سلسلہ چل پڑا ہے امتحان کے بعد چھٹی کا، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں یہ سب کچھ نہ ہوتا تھا، یہ تو ابھی چند سالوں سے امتحان بعد چھٹی ہونے لگی ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے تقریباً ایک ماہ کی تعلیم کا نقصان ہوتا ہے، امتحان کے بعد راحت کے لیے ایک دو روز چھٹی کافی تھی لمبی تعطیل سے بہت نقصان ہوتا ہے، اصل میں یہ سلسلہ چل پڑا ہے بڑے بڑے مدرسوں سے؛ انھیں کی اتباع اور انھیں کی نقل میں چھوٹے مدرسوں میں بھی ہونے لگا، اب اگر کچھ کہا جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ بھی تو چھٹی ہوتی ہے فلاں جگہ بھی تو ہوتی ہے، اتنے بڑے بن گئے کہ ندوہ اور دیوبند سے بھی آگے بڑھ گئے۔

ایک شافعی طالب علم اور حضرت اقدس کی وسعت ظرفی

حضرت کے مدرسہ میں شافعی المسلک طالب علم زیر تعلیم تھے، حضرت نے فرمایا ان کے

والدصاحب بڑے نیک ہیں اوراس طالب علم سے فرمایاتم اپنے مذہب پر قائم کیوں نہیں، جس طرح شوافع کیا کرتے ہیں اسی طرح تم بھی کیا کرو، شافعی مسلک کے مطابق نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرو اور آمین بھی زور سے کہا کرو، چاروں مذہب حق پر ہیں، امام شافعیؒ کا مسلک تم کوتو معلوم ہی ہوگا، یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ہدایہ وغیرہ ان میں بھی حضرت امام شافعیؒ کا مسلک مذکور ہے اس کے مطابق ہی عمل کیا کرو، اس طالب علم نے عرض کیا کہ سینہ پر ہاتھ باندھتا تھا تو بعض طلبا چڑھاتے تھے کہ دیکھو عورتوں کی طرح نماز پڑھتا ہے، حضرت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہنے دو، کون کہتا ہے مجھے بتاؤ میں اس کو تنبیہ کروں گا، آمین بھی زور سے کہو، جو تمہارا مسلک ہے اس کے مطابق ہی عمل کرو، کوئی کچھ کہے کہنے دو، مجھے بتاؤ میں اس کو تنبیہ کروں گا۔

ایک نومسلم حضرت کے مدرسہ میں تعلیم کے لیے حاضر ہوا جس نے شوافع حضرات کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا اور انھیں کے ماحول میں رہا تھا، نماز بھی انھیں کے مسلک کے مطابق پڑھتا تھا، اب حضرت کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھا۔ حضرتؒ نے اس کے لیے شافعی مسلک کی کتابیں منگانے کا اہتمام فرمایا اور فرمایا کہ اس کو شافعی مسلک کی کتابیں پڑھانا چاہیے؛ کیوں کہ شافعی المسلک ہے۔

❁ ❁ ❁

بین مذہبی شادی
اسباب وتدارک

از: مولانا محمد فیاض عالم قاسمی
ناگپاڑہ، ممبئی

اسلام میں شادی کی تعریف

عام طور پر نکاح یا شادی قانونی اور شرعی طور پر مسلمان مرد وعورت کے درمیان کیے گئے ایسے معاہدہ کو کہا جاتا ہے جو شریعت کے ضابطہ کے مطابق انجام پایا ہو، جس کے تحت دونوں ایک دوسرے سے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے جنسی لطف اندوزی کرسکتے ہوں۔

اس تعریف سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ اگر مرد یا عورت کوئی ایک مسلمان نہ ہوتو شرعا وہ نکاح نہیں ہے، البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی اللہ کو مانتی ہو، کسی نبی پر ایمان ہو، کسی آسمانی کتاب کے مطابق واقعتاً عمل بھی کرتی ہو اور روز جزا، وسزا پر بھی اس کا ایمان ہو تو اس سے نکاح کرنے کی گنجائش ہے؛ مگر کراہت سے بہرحال خالی نہیں، اسی طرح نکاح اگر شرعی ضابطہ کے تحت انجام نہ پایا ہو تو اس کو بھی شرعا نکاحِ صحیح نہیں کہا جائے گا۔

بین مذہبی شادی کی تعریف

بین مذہبی شادی کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کا مذہب الگ الگ ہو۔ جیسے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نکاح، ہندو یا عیسائی کے درمیان نکاح۔ اسی کو مخلوط شادی بھی کہا جاتا ہے۔ نیز ایسی شادیوں کو سِوِل معاہدہ بھی کہا تا جا ہے۔

اسلام میں بین مذہبی شادی کی حیثیت

بین مذہبی شادی کو قرآن نے باطل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (سورة البقرة:۲۲۱)

ترجمہ: اور مشرک عورتیں جب تک مسلمان نہ ہوجائیں، ان سے نکاح نہ کرو اور ایک مسلمان باندی بھی (آزاد) مشرک خاتون سے بہتر ہے، گو وہ تم کو پسند ہو اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں، نکاح نہ کرو گو وہ تم کو پسند ہوں؛ (۳) کیوں کہ یہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی توفیق دے کر جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ لوگوں کے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں؛ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

تشریح: اس پر اُمت کا اجماع واتفاق ہے کہ مشرک قوموں کے نہ مردوں سے نکاح ہوسکتا ہے اور نہ عورتوں سے؛ البتہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح درست ہے، جس کا ذکر (المائدۃ:۵) میں ہے۔ اس طرح کا حکم اسلام کی تنگ نظری نہیں؛ بلکہ ایک مسلمان خاندان کے ایمان اور ان کی تہذیب کی حفاظت مقصود ہے؛ کیوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکثر عورتوں ہی کی راہ سے بے دینی کے فتنے سماج میں لائے گئے ہیں، اسلام سے پہلے بھی دوسرے مذاہب میں اس طرح کے احکام موجود تھے، یہودی شریعت میں اسرائیلی کا غیر اسرائیلی سے نکاح جائز نہیں، (خروج:۳۴/۳۱) عیسائی مذہب میں غیر عیسائی سے نکاح درست نہیں، (کرنتھیوں:۶/۱۴-۱۵) اور ہندو مذہب میں تو ایک ذات کے لوگوں کے لیے دوسری ذات میں بھی نکاح کی اجازت نہیں؛ چہ جائے کہ دوسرے مذہب والوں سے۔ (آسان تفسیر، از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مسلمان کا نکاح کسی مشرک یا کافر سے نہیں ہوسکتا ہے۔ ایسا نکاح شرعاً باطل ہے۔

مشرک یا کافر کون؟

مشرک وہ شخص ہے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ رکھتا ہو، کسی نبی کی رسالت اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، آسمانی کتابوں پر بھی اس کا ایمان نہ ہو، آخرت پر اس کا یقین نہ ہو، اس کے بجائے کئی خداؤں پر اس کا ایمان ہو، یا خدا کی صفات میں کسی دوسری مخلوق کو شریک سمجھتا ہو، مثلا وہ بتوں کی پوجا کرتا ہو، یا کسی بڑی شخصیت کو اپنا خدا سمجھتا ہو، تو اس کو مشرک کہتے ہیں۔

اگر کوئی آدمی کسی بھی خدا پر ایمان نہیں رکھتا ہے، یا کسی بھی پیغمبر کو نہیں مانتا ہے، یا بعض پیغمبر کو

مانتے اور بعض کونہیں، تو اس کو کافر کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندو، جین، سکھ، بدھسٹ، پارسی، یہ لوگ مشرک بھی ہیں اور کافر بھی۔

چنانچہ درج ذیل فرقے از روئے شرع کافر ہیں، چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں یا پھر سرکاری دستاویزات پر مسلمان کہلائیں:

قادیانی: یعنی ایسے لوگ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔

غالی شیعہ: یعنی ایسے لوگ جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتے ہیں، یا نبی مانتے ہیں، یا پھر وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ان ہی پر نازل ہونا تھا؛ لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی اور وہ وحی لے کر حضرت محمد ﷺ کے پاس چلے گئے۔ یا ان کا یہ عقیدہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتد ہو گئے تھے۔

بہائی: وہ لوگ جن کا ایمان ہو کہ مرزا حسین علی نوری بہاء اللہ بھی اللہ کے نبی یا رسول ہیں۔

بابی: وہ لوگ جن کا ایمان ہو کہ سید علی محمد باب اللہ کے نبی یا رسول ہیں۔

شکیلی: وہ لوگ جن کا ایمان ہو کہ شکیل بن حنیف عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یا امام مہدی ہیں، یا وہ خود رسول یا نبی ہیں۔

(اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، دفعہ نمبر ۴-۵)

یہ سارے فرقے حکومت کی نظر میں مسلمان ہیں؛ لیکن خدا کی نظر میں مسلمان نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کی رسالت یا آپ کی پیغمبری پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، یا آپ کو اللہ کا آخری نبی نہیں مانتے ہیں، تو ان لوگوں سے کسی مسلمان مرد وعورت کا نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔ جب شرعاً نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا تو پھر لو جہاد کا شوشہ چھوڑنا اور اس پر ہنگامہ برپا کرنا نہایت نامعقول بات ہے۔ اسلام میں نہ ایسا کوئی جہاد ہے اور نہ اس کی ترغیب دی گئی؛ بلکہ اسلام میں تو کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ بات چیت کرنے حتیٰ کہ دیکھنے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

بین مذہبی شادی کی قانونی حیثیت

ہندوستان میں پرسنل لا لاگو ہے، یعنی عائلی مسائل میں اس فرقہ کا مذہبی یا روایتی قانون ہی ملک کا قانون ہے، چنانچہ اس کے لیے شریعت اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء مسلمانوں پر لاگو ہے۔ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء ہندوؤں پر لاگو ہے، یہی ایکٹ بودھسٹ، جین، سکھ کے لیے بھی ہے۔ دَ آنند میریج ایکٹ ۱۹۰۹ء بھی سکھوں پر لاگو ہے، دَ انڈین کرسچن میریج ایکٹ ۱۸۷۲ء عیسائیوں

کے لیے ہے،اسی طرح پارسی میرج اینڈ ڈائیورس ایکٹ ۱۹۳۶ء بھی ہے،ان لوگوں کا نکاح ان ہی ایکٹ کےتحت ہوتا ہےاوران کے مذہبی اورروایتی طوروطریقے کےمطابق انجام پاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء بھی پارلیمنٹ کے ذریعہ پاس کیا گیا ہے،اس میں ہر ہندوستانی کو کسی بھی ہندوستانی سے اس کے مذہب اوراس کے عقیدے کا لحاظ کیے بغیر شادی کرنے کا حق ہے،اس اسپیشل میرج ایکٹ کے مطابق کیے گئے نکاح پر پرسنل لاز لاگونہیں ہوتے ہیں۔

اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ کیا ہے؟

دراصل اس ایکٹ کو بنانے کا مقصد پرسنل لا کو کمزور کرنا ہے،اس ایکٹ کے مطابق مذہب اورعقیدہ کے برخلاف کوئی بھی کسی بھی مذہب کے ماننے والے سے نکاح کرسکتا ہے؛خواہ وہ مسلم ہو،یا ہندو ہو،یا بدھسٹ ہو،یا جین ہو،یا سکھ ہو،عیسائی ہو،پارسی ہو۔اس ایکٹ کےتحت بین المذاہب نکاح منعقد کیے جاتے ہیں۔یہ ایکٹ پورے انڈیا میں لاگو ہے اوران لوگوں پر بھی لاگو ہیں جو ہندوستانی ہیں؛لیکن باہرممالک میں رہتے ہیں۔

(Interfaith Marriages and Negotiated Spaces. By: Shweta Verma1 Neelam Sukhramani1:23)

ہندوستان میں بین مذہبی نکاح عروج پر ہے؛کیوں کہ اسپیشل میرج ایکٹ ایسے جوڑوں کوتحفظ فراہم کرتا ہے۔ایک قومی سروے کے مطابق ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۵ء تک بین مذہبی نکاح کی شرح دوگنا ہوگئی ہے۔(Goli et al. 2013)؛چنانچہ ۱۹۸۱ء میں 1.6 فیصد تھااور ۲۰۰۵ء 2.7 فیصد بڑھ گیا۔

(Interfaith Marriages and Negotiated Spaces. By: Shweta Verma1 Neelam Sukhramani1: 23)

مشہورانگریزی اخبارٹائمس آف انڈیا کے مطابق اسٹیپ اورمیرج رجسٹریشن کے اداروں میں ۲۰۱۳-۲۰۱۴ء میں ۲۶۲۴ نکاح رجسٹر کیے گئے،صرف شہر بنگلورو میں اگلے سال یعنی ۲۰۱۵-۲۰۱۶ء میں یہ عدد بڑھ کر ۱۰۶۵۵ ہوگئی۔۲۰۱۵ء سے جنوری ۲۰۱۶ء تک ۸۳۹۱ نکاح رجسٹرڈ ہوچکے تھے،جو ۲۰۱۳-۲۰۱۴ء کے مقابلہ میں ۳۰۶ فیصد بڑھا ہوا ہے۔(Times of India: 20 June 2016)

Kumudin Das of Pillai's College of Arts, Commerce and Science, Navi Mumbai,

P. K. Tripathy of Utkal University,

International Institute for Population Sciences (IIPS) [Mumbai] (K. C. Das, and T. K. Roy

پیلائی کے کالج آف آرٹس، کامرس اینڈ سائنس نئی ممبئی کے کموڈن داس کے مطالعے کے مطابق، اتکل یونیورسٹی کے پی کے ترپتی، کے سی داس اور ٹی کے رائے، دونوں بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ برائے پاپولیشن سائنسز (IIP) ممبئی سے متعلق ہیں، نے ہندوستان میں بین المذاہب اور بین ذات پات سے متعلق شادیوں کی تعداد کو بڑھنے اور گھٹنے والا قرار دیا۔ جس میں ۲۹ رصوبوں کے ۴۲۱۸۳ لوگوں کے قومی خاندانی صحت سروے National Family Health Survey ۲۰۰۵-۲۰۰۶ء کو سامنے رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں 2.1 فیصد شادیاں بین مذہبی تھیں۔

(Daset al.[2011], 4, Table 4).

جغرافیائی لحاظ سے بین مذہبی شادیوں کی شرح اس طرح ہے

مرکزی انڈیا:	1.2	شمالی انڈیا:	2.2
مشرقی انڈیا:	1.3	شمال مشرقی انڈیا:	3.2
مغربی انڈیا:	3.4	جنوبی انڈیا:	3.2

صوبوں کے لحاظ سے بین مذہبی شادیوں کی شرح اس طرح ہے

بین مذہبی شادی کی سب سے زیادہ فیصد رکھنے والا صوبہ اروناچل پردیش ہے، جس میں 9.2 فیصد بین مذہبی شادیاں انجام پاتی ہیں۔ اس کے بعد سکم: 8.1 فیصد، منی پور: 7.6، پنجاب: 7.3، میگھالیہ: 6.7، جھارکھنڈ: 5.6، آندھرا پردیش: 4.7، مہاراشٹرا: 3.7، کرناٹکا: 2.8، تریپورہ: 2.7، دہلی: 2.2 بالترتیب ہیں۔

سب سے کم شرح رکھنے والا صوبہ مغربی بنگال ہے، یعنی صرف 0.3 فیصد ہے۔ دوسرے صوبے ان دونوں کے بیچ میں ہیں۔

(Dynamics of inter-religious and inter-caste marriages in India by: Kumudin Das, K. C. Das, T. K. Roy and P. K. Tripathy: Table: 4)

بین مذہبی شادیوں میں میاں بیوی کو مختلف قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے

ذاتی مسائل: بین المذاہب شادیاں میاں بیوی اور رشتہ داروں کے درمیان بحث ومباحثہ

اوراختلافات کا باعث بنتی ہیں۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ اس طرح کے جوڑے اکثر اپنی ازدواجی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔اس طرح کی شادیاں عام طور پر زیادہ عرصہ تک نہیں رہتیں اورتھوڑے ہی عرصے میں طلاق یاخلع کے ذریعہ علیحدگی ہوجاتی ہے۔ میں (قاضی محمد فیاض عالم قاسمی) نے ذاتی طور پر دارالقضاء (تصفیہ سینٹر) میں مشاہدہ کیا ہے کہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے 95 فیصد جوڑے طلاق یا خلع کے ذریعہ الگ ہوجاتے ہیں، یاپھر یونہی ایک دوسرے کو چھوڑدیتے ہیں۔واضح رہے کہ یہاں ''بین المذاہب شادی'' سے مراد مسلم اور غیرمسلم کی شادی ہے۔

سماجی مسائل: انھیں اپنے اہل خانہ کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے والدین ان کی شادی کی تقریبات میں شرکت نہیں کرتے ہیں، دونوں میاں بیوی کو ان کے سسرال والے افراد خانہ نہیں سمجھتے ،اس وجہ سے اس طرح کے جوڑے ہمیشہ معاشرتی زندگی کے مسائل کا سامنا کرتے رہتے ہیں۔مختصر یہ کہ ایسے لوگ اپنے رشتے داروں اور معاشرے میں اپنا وقار کھو دیتے ہیں۔ان کے بچوں کو معاشرے میں بھی اسی طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ بلکہ وہ اپنے والدین سے کہیں زیادہ سخت چیلنجوں کا سامنا کرتے ہیں۔

بین المذاہب شادی کی وجوہات

مسلمانوں میں بین المذاہب شادیوں کی وجوہات یہ ہیں:

۱-ایمان کی کمزوری:

بین المذاہب شادیوں کی سب سے بڑی وجہ ایمان کی کمزوری ہے۔ایک مومن، یعنی حقیقی ایمان کا حامل، محبت یا دنیاوی مال ودولت کے بدلے کبھی بھی اپنے ایمان کا سودا نہیں کرے گا۔

۲- مخلوط تعلیم:

بین المذاہب شادیوں کی وجوہات میں سے مخلوط تعلیم بھی ایک بنیادی وجہ ہے۔ جب کوئی نوعمر لڑکا یا لڑکی مخلوط تعلیم گاہ جیسے کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہے تو ان کی ملاقات مخالف جنس والے بہت سے دوستوں سے ہوتی ہے، آہستہ آہستہ اس کا سادہ لوح دل ودماغ محبت کی جال میں پھنس جاتا ہے اور اس طرح محبت میں اندھے ہوکر انھیں اپنی خواہشات کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا ہے،ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جلد ہی نکاح کے بندھن میں بندھ جائیں تاکہ ظالم معاشرہ ان کے درمیان روڑے نہ اٹکائے، بالآخر وہ تمام تر دینی تعلیمات نظرانداز کرکے نکاح کرلیتے ہیں۔

۳-مخالف جنس کے ساتھ دوستی:

نوجوانوں میں آج کل خاص طور پر پیشہ ورانہ ملازمتوں میں مخالف جنس سے دوستی بہت عام ہوگئی ہے۔ایک تاجر کے کچھ مخالف جنس دوست بھی ہوتے ہیں،تو ڈاکٹروں کے بھی ہوتے ہیں۔ ایک استاد مخالف جنس سے بھی ہاتھ ملاتا ہے۔ یہ آزادانہ تعلقات بھی اکثر و بیشتر بین المذاہب شادیوں کا باعث بنتے ہیں۔

۴-غربت:

بین المذاہب شادیوں میں غربت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔بہت سے والدین اپنی بیٹیوں کو دوسرے مذہب کے لڑکوں سے شادی کرادینے پر مجبور ہوتے ہیں؛ کیونکہ انہیں شاید اپنی ہی برادری میں اپنی بیٹیوں کے لیے مناسب دولہا نہیں ملتا ہے، یا پھر ان کے پاس اتنا بجٹ ہی نہیں ہوتا ہے کہ سسرال والوں کو جہیز فراہم کریں، کیونکہ جہیز مہنگا ہوگیا ہے، اور آج کل شادی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔معاملہ اور زیادہ شرمناک اس وقت بن جاتا ہے، جب داماد یا اس کے رشتہ دار نقد رقم،موٹر سائیکل،فور وہیلر، مکان، یا تجارت یا جائیداد کے حصوں میں رقم طلب کرتے ہیں اور یہاں تک کہ بعض اوقات اگر وہ ان کے مطالبات پورے نہیں کر پاتے ہیں تو شادی منسوخ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اور بعض دفعہ بات چیت ہوجانے کے باوجود عین وقت پر منسوخ کردیا جاتا ہے۔

۵-لالچ:

لالچ مرد کی جانب سے بین المذاہب شادیوں کا ایک سبب یہ بھی ہے۔وہ شادی کرکے دولت مند بننا چاہتا ہے۔اسے سسرال سے جہیز کا ڈھیر ملنے کی توقع ہوتی ہے؛ لہٰذا لالچ بعض اوقات ایمان کی قیمت پر بھی بین المذاہب شادی کا انتخاب کرنے پر اکساتا ہے۔

۶-جہالت:

زیادہ تر لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ ان کا مذہب ان لوگوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں جو اس کے مذہب کو نہیں مانتا ہے، ہمارے علم میں کچھ ایسے معاملات آئے ہیں جہاں انھوں نے انجانے میں شادی کرلی۔ پھر بعد میں جب کبھی انہیں پتہ چل گیا کہ ان کا مذہب ایسی شادی کی اجازت نہیں دیتا ہے تو وہ فوراً الگ ہوگئے اور اپنے رب سے توبہ واستغفار کی۔

۷-آزادانہ خیال:

کچھ لوگ غیر معمولی طور پر وسیع ظرف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔وہ سوچتے ہیں کہ دماغ کی

وسعت اور فکر ہی تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ وہ مذہبی حدود کو رکاوٹیں اور پسماندگی کی علامت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے مذہب عید اور بقرعید منانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں شادی ان کا ذاتی معاملہ ہے اور اس کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہٰذا وہ بین المذاہب شادیوں میں کچھ بھی غلط نہیں دیکھتے اور اپنے بچوں کو اپنے لیے جو بھی انتخاب کرتے ہیں، کرنے دیتے ہیں۔ اس طرح بہت حد تک ''آزادانہ خیال'' بھی بین المذاہب شادیوں کا باعث بنتی ہے۔

۸-تعلیم کی کمی:

موجودہ صورتحال میں مسلمان لڑکیاں لڑکوں کی بہ نسبت تعلیم میں اعلی فیصد حاصل کررہی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے مسلمان لڑکے ان اعلی تعلیم یافتہ لڑکیوں کے لیے مناسب نہیں ہوتے ہیں۔ اس سے متعدد لڑکیوں کو بھی دوسرے مذاہب میں سے اپنے شریک حیات کا انتخاب کرنا پڑتا ہے، جو تعلیمی قابلیت کے لحاظ سے کم سے کم ان کے لیے مناسب ہوتے ہیں۔

۹-سوشل میڈیا کی لت:

سوشل میڈیا نوجوانوں کے لیے بہت خطرناک ہے۔ انٹرنیٹ سب کے لیے دستیاب ہے۔ پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرح ہوگئی ہے، گفتگو اور بات چیت کرنا، یہاں تک کہ موبائل کے ذریعہ دوسرے کو دیکھنا بھی بہت آسان ہوگیا ہے۔ اس مقصد کے لیے واٹس ایپ، ٹیلیگرام، فیس بک اور کچھ دوسرے سماجی پلیٹ فارم اس کام کے لیے بہت آسان ہیں۔ اس میڈیا کے ذریعہ ایک مرد اور عورت چیٹنگ، بات چیت اور پھر ایک دوسرے سے گہری محبت کرنا شروع کردیتے ہیں، جو بین المذاہب شادیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

۱۰-پروپیگنڈا:

یہ ثابت ہوگیا ہے کہ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک غیرسرکاری تنظیم ہے اور اسی طرح کے دائیں بازو کی تنظیمیں اپنے ہندوتوا ایجنڈے کے تحت مسلم لڑکیوں کو ہندو بنانا چاہتی ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ پہلے اپنے ہی لڑکوں اور لڑکیوں کا انتخاب کرتے ہیں انہیں اچھی تنخواہوں، ایوارڈز اور اسی طرح کی کئی پیش کش کی جاتی ہے، اور پھر وہ فیس بک اکاؤنٹ، ٹروکالر، انسٹاگرام، ٹیلیگرام، واٹس ایپ، اور دیگر سماجی ایپس سے مسلم بچوں اور بچیوں کے موبائل نمبر حاصل کرتے ہیں۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ وہ موبائل ری چارجنگ کے مراکز، زیروکس سنٹرز، شاپنگ مالز، ٹیوشن کلاسز اور دوستوں سے بھی نمبرات حاصل کرتے ہیں، جب ان کو

نمبرات مل جاتے ہیں تو وہ ان سے چیٹنگ شروع کردیتے ہیں، آڈیو اور ویڈیو کالنگ کے ذریعہ گفتگو کی جاتی ہے، یہاں تک کہ نوجوان مسلمان لڑکیوں یا لڑکوں کو ان سے پیار ہوجاتا ہے۔ اس طرح مخصوص لڑکے یا لڑکیاں مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔

بین المذاہب شادی کا تدارک:

۱-دینی تعلیم:

اس کا تدارک یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو نہ صرف قرآن کریم کی تلاوت کرنا سکھائیں؛ بلکہ کم از کم تمام اعلیٰ اور ضروری مذہبی تعلیمات جیسے ایمانیات، اخلاقیات بھی سکھائیں، ایک بچہ کو پڑوسی، دوست، شریک حیات، اور والدین کے حقوق اور ذمہ داریاں بھی بتائیں۔ تاکہ بچے جان سکیں کہ اسے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں کیا کرنا ہے۔ ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں کے ذہنوں اور دلوں میں ایمان کی اہمیت پیدا کرانا ہے۔ صحابہ کرام کی کہانیاں گھر پر سنائی جائیں، یہ یقیناً گھر کے تمام افراد کے لیے مفید ہوگا۔

۲-مذہب اور تقویٰ:

والدین کو مذہبی اور پرہیزگار ہونا چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو پورا کریں۔ انہیں شریعت کے قوانین پر عمل کرنا چاہیے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس سے غیر شعوری طور پر بچوں کے اخلاق اچھے ہوں گے، اس طریقہ سے پرورش کیے گئے بچوں میں یقینی طور پر اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا ہوگا اور وہ اخلاق حسنہ سے مزین ہوں گے۔

۳-اسکول میں اسلامی ماحول:

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں اساتذہ کو طلبہ کے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہیے کہ گویا وہ ان کے اپنے بچے ہیں، انتظامیہ بچوں کے ایمان کو مضبوط کرنے اور ان کی روشن زندگی کی ذمہ دار ہے، انہیں اپنے طلباء کو اسلامی اخلاقیات سے مزین کرانا ہوگا، ہر جماعت میں کم از کم ایک دینی مضمون بھی ہونا چاہیے؛ تاکہ ان کے ایمان کو مضبوط کیا جاسکے اور انھیں شرعی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں روشناس کرایا جاسکے۔ انہیں باریکی سے بچوں کے طرز عمل کا مشاہدہ کرنا چاہیے، اگر وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں تو ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ انہیں مخالف جنس سے دوستی کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ کلاس روم اور ہاسٹل ہونا چاہیے۔

۴-گھر میں اسلامی ماحول:

گھر میں بھی ایسا ہی نظام لاگو کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اساتذہ سے زیادہ والدین ذمہ دار ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو اچھے اخلاق کی تربیت دیں۔ انہیں اپنے بچوں کی سرگرمیوں پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہیے۔ انہیں کبھی بھی بچیوں کو سفر، ٹیوشن، پکنک، کھیل یا دوست کے گھر اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے، بچوں کو مشورہ دیا جانا چاہیے کہ وہ کسی بھی اجنبی یا مخالف جنس سے کسی بھی قسم کی دوستی نہ کریں چاہے وہ اس کا ہم جماعت ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں کسی غیر محرم (غیر خونی رشتہ داروں) سے آزادانہ طور پر بات چیت کرنے کا موقعہ نہیں دیا جانا چاہیے۔ اگر کسی غیر متوقع طرزِ عمل کا پتہ چل جائے تو انہیں ان کو نصیحت کرنی چاہیے، ڈانٹ ڈپٹ سے بھی اور ہلکی پھلکی پٹائی کے ذریعہ بھی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ان کی جیب خرچ کے روکنے جیسی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ بہرحال والدین کو جو سزا مناسب لگے وہ ضرور کرنا چاہیے۔ والدین کو اپنے بچوں کو واضح طور پر متنبہ کرنا چاہیے کہ وہ ہر طرح کے گناہ اور نافرمانی کو معاف کردیں گے؛ لیکن وہ کبھی بھی کسی بھی اجنبی شخص کے ساتھ دوستی، محبت، یا شادی کرنے کے جرم کو معاف نہیں کریں گے۔

۵-غیر ضروری طور پر سوشل میڈیا کی لت سے بچنا:

بچوں کو بلاوجہ سوشل میڈیا کو استعمال نہیں کرنا چاہیے، معقول وجہ کے بغیر کسی بھی اجنبی یا غیر محرم سے بات چیت نہ کریں، اگر کوئی بات چیت کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اسے فوری طور پر بلاک کردیا جانا چاہیے۔

۶-ایمان کو مضبوط بنانا:

مسلمانوں میں بین المذاہب شادیوں کو روکنے کے لیے ایمان کو مضبوط کرنا نہایت ہی ضروری ہے، یہ صرف ایمان ہی ہے، جو ایک مسلمان کو شریعت کے مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی سے روک سکتا ہے۔ ایمان کو مضبوط کرنے کے کچھ طریقے یہ ہیں:

(الف) نماز کی پابندی:

نماز کی پابندی انسان کو ہر قسم کی برائی سے اور برے کام کرنے سے روکتی ہے؛ جیسا کہ ایک قرآن کریم میں اس وضاحت آئی ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (سورۃ العنکبوت:۴۵)

(ب) قرآن کی تلاوت:

قرآن کی تلاوت بھی ایمان کو مضبوط کرنے میں مددگار ہوتی ہے، بالخصوص جب کہ پڑھنے والا

اس کو سمجھتا بھی ہو۔

(ج) کسی مذہبی آدمی سے بیعت:

کسی بزرگ اور اللہ والے سے بیعت کرنا بھی انسان کے ایمان اور اخلاق کو سنوارتا ہے۔خود بھی بیعت ہوجانا چاہیے اور اپنے بچوں کو بھی بزرگان دین کی مجلس میں بٹھانا چاہیے۔

(د) آخرت کا دھیان:

ہر قول وفعل میں آخرت کا دھیان ہو، جنت وجہنم کے بارے میں پڑھنا بھی انسان کو اللہ کے سامنے جوابدہی کے احساس کو بڑھاتا ہے۔

(ھ) قبر کی زیارت:

قبر کی زیارت کرنا بھی اس فانی دنیاوی زندگی کی حقیقت کو یاد دلاتی ہے۔

(ح) اللہ کا ذکر:

اللہ کے نام کا ذکر کرنا مثلا اللہ اللہ، لا الہ الا اللہ کا ورد بھی کمزور ایمان کے لیے بہترین علاج ہے، یقیناً اللہ کا ذکر کرنا چند دنوں میں ایمان کو روشن کر دیتا ہے۔

یہ کچھ طریقے ہیں جن سے انسان اپنے ایمان اور تقویٰ کو مضبوط کر سکتا ہے۔ جو بین مذہبی شادیوں کی روک تھام کے لیے معین ومددگار رہوں گے۔ان شاء اللہ

❁ ❁ ❁

جدید ذرائعِ ابلاغ اور دعوتِ دین

از: مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند

اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے زندگی کے ہر میدان میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا ہے، اس جدید مواصلاتی ٹکنالوجی نے زمانے میں سرعت ولطافت اور وسعت ومنفعت کا ایک خزانہ بھردیا ہے۔ انٹرنیٹ کی وجہ سے پوری دنیا ایک ٹیبل پر سمٹ کر آ گئی ہے۔ بین اقوامی سطح پر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے اس دھماکے کو سائنس وٹکنالوجی کی خوشگوار آندھی سے تعبیر کیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ گذشتہ صدی کے دوران سائنس وٹکنالوجی کی ہوش ربا ترقیات کے زیر اثر دنیا جس تیز رفتاری سے تبدیل ہوئی ہے ویسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ موجودہ صدی بلاشبہ اطلاعاتی انقلاب کی صدی ہے۔ کوئی بھی ملک یا قوم وملت یا انسانی جماعت اس اطلاعاتی انقلاب کے ثمرات سے اجتناب یا بے اعتنائی برت کر یا اس سے محروم رہ کر خود اپنا ہی نقصان کرے گی کہ اس طرح وہ طاقت اور ترقی کے اصل سرچشمے سے دور جا پڑے گی۔

اس مواصلاتی ترقی کے نتیجہ میں تجارت اور صنعت وحرفت کے علاوہ تعلیم وتبلیغ کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ عصر حاضر میں انفارمیشن ٹکنالوجی اور ذرائع ابلاغ کی حیرت انگیز ترقی سے جہاں بہت سارے نت نئے سماجی و مذہبی مسائل پیدا ہوئے ہیں اور انٹرنیٹ سے اخلاقی تباہی کے نئے نئے راستے کھلے ہیں، وہیں کمپیوٹر و انٹرنیٹ کا ایک مثبت پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ ان وسائل کا استعمال کرکے اسلامی پیغام و مذہبی تعلیمات کو انتہائی آسانی اور تیز رفتاری کے ساتھ دنیا میں بھر میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ اس وقت تبلیغی و اصلاحی اور تعلیمی میدانوں میں بھی انٹرنیٹ زبردست رول ادا کررہا ہے۔ دنیا کی تمام بڑی تنظیمیں اور ادارے انٹرنیٹ کے ذریعہ اپنے مشن کو عام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انٹرنیٹ کا استعمال جہاں تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی اور دیگر

اچھے کاموں کے لیے ہورہا ہے وہیں شرپسند طاقتیں اور اسلام دشمن عناصر انٹرنیٹ کا استعمال غلط طریقے سے بھی کرنے میں پیچھے نہیں ہیں۔ ویب سائٹ کے ذریعہ فاسد عقائد کی نشرواشاعت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی سازشیں اب ایک عام بات ہوگئی ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں اور یہودی وعیسائی تنظیموں نے اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے اور وہ اپنی ویب سائٹوں کے ذریعہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مذموم اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کررہے ہیں۔ قادیانیوں نے ابتدا ہی سے انٹرنیٹ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا ہے اور اسلام کی نمائندگی کے لیے ایسی ویب سائٹیں رجسٹر کررکھی ہیں جن سے ایک عام مسلمان تو کیا اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات بھی آسانی کے ساتھ ان کے دامِ فریب کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر الحاد زدہ اور گمراہ جماعتیں بھی انٹرنیٹ کے ذریعہ اپنے مشن کو پھیلانے میں لگی ہوئی ہیں اور نہ جانے کتنے مسلمان اس کے دامِ فریب میں پھنس کر اسلام سے محروم ہورہے ہیں۔

آج کا یہ نازک دور اس امر کا متقاضی ہے کہ جس طرح علمائے امت نے ماضی میں ہر موڑ پر ملت اسلامیہ کی پاسبانی کی ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت کی اپنی بساط کے مطابق ہمیشہ ترجمانی کی ہے اسی طرح آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں جن ذرائع ابلاغ کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہورہا ہے انہیں ذرائع یعنی انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ اسلام دشمن عناصر کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے منصوبہ بند پروگرام کے ساتھ میدان عمل میں آئیں اور اپنے مسلک کی اشاعت وحفاظت کے ساتھ دنیا کے سامنے اسلام کا پیغام اس کے حقیقی پس منظر میں پیش کرکے اپنا فریضہ انجام دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنے دین اور عقائد کا تحفظ چاہتے ہیں تو انہیں نہ صرف اس طوفان کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور ایک ہمہ گیر بیداری اور عروج وارتقا کے سارے اسباب ووسائل کو حاصل کرنا پڑے گا بلکہ اپنے دین کے تعارف اور اس کے خلاف کئے جانے والے جھوٹے اور باطل پروپیگنڈوں کا جواب دینے کے لیے ذرائع ابلاغ کے تمام وسائل کا استعمال بھی کرنا پڑے گا۔ المیہ یہ ہے کہ آج بھی ہماری دعوتی توانائیاں عملی حیثیت سے بھی نہ صرف انفرادی اور اجتماعی اختلافات کی نذر ہورہی ہیں بلکہ دعوتی میدانوں میں کام کرنے والے مختلف اداروں اور تنظیموں کے درمیان باہمی ربط وضبط اور تعاون کا بھی فقدان ہے۔

اسی وجہ سے اس حق کی تبلیغ کے لیے جس پر ہمارا ایمان ہے اور ان باطل نظریات اور اعتراضات وشبہات کو روکنے کے لیے جو اسلام کے گرد اپنا دائرہ تنگ کررہے ہیں انٹرنیٹ کا استعمال

ناگزیر ضرورت بن گیا ہے۔ انٹرنیٹ کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے جو اسلام کو چیلنج کرے بلکہ یہ ایک موٴثر وسیلہ ہے جس کے استعمال سے فرار ممکن نہیں۔ بس ہوا یوں کہ ایک طویل عرصہ تک مسلمان اس انٹرنیٹ سے غافل رہے اور دوسروں کو اپنے باطل مضامین اور وسائل کی اشاعت کے لیے دروازہ کھلا مل گیا۔ انٹرنیٹ کو تبلیغ دین کا نہایت موثر ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ قرآن نے نہایت بلیغانہ انداز میں ہمیں ”ادْعُ إِلِی سَبِیلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ“ (سورۃ النحل ۱۲۵) کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں موٴمنین کو تاکید ہے کہ ’حکمت‘ ان کا سرمایہ ہے اور وہ جہاں کبھی ملے موٴمن اس کا زیادہ حق دار ہے (الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا: ترمذی، حدیث ۲۶۱۱) لہٰذا انٹرنیٹ اور دیگر مواصلاتی اسباب دراصل اسی ’حکمت‘ کا حصہ ہیں جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

آیات واحادیث کی رروشنی میں دیکھیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہی زمانہ ہے جس کی ہمیں خبر دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: یُرِیدُونَ أَن یُطْفِؤُواْ نُورَ اللّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَیَأْبَی اللّهُ إِلاَّ أَن یُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّینِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورۃ التوبۃ، آیت ۳۲-۳۳)

اس آیت میں ذکر ہے کہ کافروں او دشمنانِ اسلام کی طرف سے اس بات کی مسلسل کوششیں ہورہی ہیں کہ وہ اسلام کے چراغ کو گل کردیں، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بشارت اور تسلی بھی دی ہے کہ اللہ تعالی کو نور اسلام کی تکمیل مقصود ہے اور نبی آخرالزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ دین حق تمام دینوں پر غالب آئے گا، خواہ کافروں اور مشرکوں اس کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوجائیں۔

احادیث میں اسلام کے آئندہ غلبہ کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا، وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا. (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۱۴۴)

ترجمہ: اللہ تعالی نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، چناں چہ میں نے زمین کے مشرقی اور مغربی گوشوں تک کو دیکھا۔ ایک دن میری امت کی حکومت مشرق ومغرب کے ان گوشوں تک پہنچے گی۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

ليبلغن هذا الامر ما بلغ الليل و النهار، و لا يترك الله بيت مدر و لا وبر الا ادخله الله هذا الدين بعز عزيز او بذل ذليل، عزا يعز الله به الاسلام و ذلا يذل الله به الكفر (حدیث رقم:۱۶۵۰۹)

ترجمہ: یہ (دین) ان جگہوں تک پہنچے گا جہاں جہاں رات اور دن ہوتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی کچا یا پکا گھر نہیں بچے گا جس میں یہ دن داخل نہ ہو، خواہ عزت دار کی عزت کے ساتھ، یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ، ایسی عزت جس سے اللہ اسلام کو عزت بخشے گا اور ایسی ذلت کس جس سے اللہ کفر کو ذلیل کرے گا۔

بیسوی صدی میں امت مسلمہ سیاسی اور عسکری میدانوں میں جس طرح شکست کا شکار رہی اور استعماری طاقتوں کا نشانہ بنی، وہ اسلامی تاریخ کا بھیانک باب ہے۔ اس صدی میں اسلامی سطوت و شکوہ کی علامت ’خلافت‘ کا سقوط ہوا اور شمالی افریقہ کے مغربی کناروں سے مشرق بعید کے جزائر تک کے مسلم آبادی والے ملکوں پر یوروپی استعمار کا قبضہ ہوگیا۔ اس ماحول میں اگر کوئی شخص مذکورہ بالا آیت واحادیث پر نظر ڈالتا تو وہ تھوڑی کے لیے ہی سہی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا کہ آخر یہ پیشین گوئیاں کب پوری ہوں گی۔ خلافت عثمانیہ کے زوال اور اکثر اسلامی ممالک وعلاقہ جات پر یورپ کے استعماری قبضہ وتسلط کی وجہ سے گذشتہ صدیوں میں یہ تصور بھی مشکل تھا کہ مسلمان کبھی امریکہ یا یورپ میں اپنی بستیاں بسائیں گے اور وہاں پورے اسلامی تشخص وامتیاز کے ساتھ نہ صرف قیام کریں گے بلکہ مساجد واسلامی مراکز بنا کر یورپ وامریکہ کی ترقی یافتہ قوموں کو اپنا مدعو بنائیں گے۔

آج الحمدللہ پوری تصویر کھل کر سامنے آگئی ہے اور الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی آفتاب نصف النہار کی طرح سچ ثابت ہوچکی ہے۔ آج اللہ تعالی نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے حالات پیدا کردیے ہیں کہ وہی اسلام جس کے ماننے والے مشرق میں مفتوح ومغلوب ہوگئے تھے، مغرب میں وہی اسلام سپر پاور بن کر ابھر رہا ہے۔ اسباب ووسائل کے اعتبار سے بھی اللہ نے ایسی مواصلاتی ٹکنالوجی کی شکلیں پیدا فرمادی ہیں کہ جن سے دین اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ ورنہ پوری دنیا میں جہاں رات اور دن ہوتی ہو اور ہر کچے اور پکے گھر میں دین کی دعوت کا پہنچنا بظاہر کتنا مشکل تھا۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ ہم دعوتِ دین کی راہ میں اپنی کوششیں صرف کرسکیں، ورنہ اللہ کی ذات بے نیاز کسی بھی قوم سے کام لے سکتی ہے۔

اپنی جان کا بھی حق ہے

از: مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی
ادارۂ علم وعرفان حیدرآباد و نئی دہلی

جسم اور جان اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، جن کی حفاظت اور نگہداشت ہمارا فریضہ ہے، جان کی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کی جائے، مضر صحت امور سے اجتناب کیا جائے، اس کے قُویٰ کی حفاظت کی جائے، جان کی حفاظت کے لیے ضروری امور کا انتظام کیا جائے، اپنے آپ کو ہموم وغموم اور مصائب ومتاعب سے محفوظ رکھا جائے، جس کے لیے بقدر ضرورت مال کے حصول کے لیے تگ ودو بھی کرے، چونکہ صحت میں خلل، قوی واعضا وجوارح میں کمزوری یا مالی اعتبار سے بے اطمینانی اس کی وجہ سے دینی کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے، دوسروں کی خدمت بھی نہیں ہو پاتی، کبھی ناشکری بے صبری جیسے مراحل آجاتے ہیں، جو بسا اوقات ایمان کے کھودینے کا باعث ہوتے ہیں۔

صحت کی حفاظت

صحت اللہ کی بڑی نعمت ہے، بلکہ سب سے بڑی نعمت ہے، بلکہ انسان کا وجود ہی صحت سے ہے، مضر صحت امور سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے، جس میں زیادہ کھانا یا زیادہ سونا، یا کم کھانا یا کم سونا، یا حد سے زیادہ فارغ رہنا، ہموم وغموم کا شکار ہوجانا، یا اپنی آپ کو کسی بھی عمل میں اتنا منہمک کرنا جس میں آدمی کی حرکت نہ ہو، جس سے موٹاپا در آئے، راتوں کا جاگنا، دنوں کا سونا یہ ساری امور صحت کے لیے نقصان دہ باعث وبال جان ہوتے ہیں، اس طرح کے امور سے اجتناب کر کے اپنے آپ کو منظّم ومرتب کرے، سونے کے وقت سوئے، کھانے کے وقت کھائے، کام کے وقت کام کرے، ہلکی پھلکی ورزش، چہل قدمی، راتوں کے شروع میں جاگنے سے اجتناب، دھوپ کا حاصل کرنا یہ سارے امور دراصل شرعی نقطہ نظر سے قابل التفات امور ہیں، ایک مومن توانا اور قوی تر ضعیف اور

کمزور مومن کے مقابلہ زیادہ بہتر اور اچھا ہوتا ہے، آیت خداوندی میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں، ''وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ'' (الشعراء: ۸۰) (جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ شفایاب کرتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ صحت بھی مطلوب ومقصود ہے، اس کے علاوہ ایک روایت میں فرمایا: ''تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے'' (بخاری) گرچہ روایت کا پس منظر شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت ہے؛ لیکن کسی بھی عمل میں حد درجہ اشتغال اور انہماک، بالکل یکسوئی اور فراغت کا نہ ہونا بھی یہ مضر صحت ہوا کرتا ہے، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ زیادہ جاگنے اور بالکل بھوکے رہنے سے صحت خراب ہوجاتی ہے، کھانے اور سونے میں غلو بھی موٹاپے کا شکار کردیتا ہے، ایک روایت میں فرمایا گیا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں ان کے بارے میں بکثرت لوگ نقصان اور خسارے میں ہیں (یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت اور دوسرے بے فکری،'' (بخاری) اس سے پتہ چلا کہ زیادہ جاگنے اور بالکل بھوکے رہنے سے صحت خراب ہوجاتی ہے اور اس کا اثر انسان کے قوی پر پڑے گا اور وہ مضمحل ہوکر پھر دوسرے فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ رہیں گے۔

اسی صحت ونوجوانی، مالی ووقتی فراغت کی اہمیت کو یوں بیان فرمایا: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان سے دین کے کاموں میں مدد لو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے'' (المستدرک) اس سے معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے وہ اور فراغت اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

اس لیے تمام مضر صحت امور سے اجتناب کیا جائے اور صحت کے بگڑنے پر دوا وعلاج کا اہتمام کیا جائے، اور صحت جسمانی کی نگہداشت کے جو بھی جائز ذرائع ووسائل ہوسکتے ہیں ان کو اختیار کیا جائے چونکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کیلیے دوا بھی بنائی، سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو'' (ابوداؤد) اس سے پتہ چلا کہ صحت بھی مطلوب ومقصود ہے، مضر صحت امور سے اجتناب اور گریز، مضر صحت امور اور کھانے پینے کی چیزوں (جیسے چپس فاسٹ فوڈ، حد سے زیادہ کھانا) وغیرہ ان چیزوں سے بھی احتراز کرنا چاہیے اور پھل فروٹ قدرتی اغذیہ ترکاری معتدل مقدار میں گوشت، انڈا مچھلی وغیرہ کا استعمال ہو، چکن مضر صحت ہوتا ہے، اس کے استعمال سے گریز کیا جائے، چونکہ یہ انسانی دفاعی

قوت ختم کرتا ہے، بہرحال باعث صحت چیزوں کا استعمال اور مضر صحت امور کا اجتناب کو نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کومخاطب کر کے فرمایا:''یہ (کھجور) مت کھاؤ،تم کونقاہت ہے، پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ) اس میں سے لے لو، یہ تمہارے موافق ہے'' (ترمذی) صحت کے متعلق بصیرت مند اور تجربہ کار لوگوں کے مشوروں پر عمل درآمد کرے۔

قوت وتوانائی کی برقراری کے لیے تگ ودو

انسان قوی ہو، طاقتور ہو، ومضبوط وتوانا رہے، اس کے لیے کوشش کرنا اور اسباب اختیار کرنا بھی شرعا مطلوب ہے۔کیوں کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ''وَاَعِدُّواْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّن قُوَّةٍ'' (الانفال:۶۰)، اسی سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے''المؤمن القوی، خیر وأحب إلی اللّٰہ من المؤمن الضعیف'' اور یوں سب میں خوبی ہے۔

جب قوت اللہ کے نزدیک پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کو کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط کرنا یہ سب مطلوب ہوگا، اس میں غذا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کرنا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہوجائے یا بد پرہیزی کرنا، جس سے بیماری بڑھ جائے اور قوت کمزور پڑ جائے، قوت کو باقی رکھنے کے لیے دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت ڈالنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہوسکتی ہے، ان کی مشق کرنا، یہ سب داخل ہیں۔اسی حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تیراندازی بھی کیا کرو اور گھوڑ سواری بھی (ترمذی) اور ایک روایت میں فرمایا کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں (مسلم)

بقدر کفاف مال ضروری

انسان کے پاس اپنی جان اور جسم کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے بقدر کفاف مال ہو اور فکروں سے آزاد ہو اور اسے فراغت قلب نصیب ہو یہ بھی شرعا مطلوب ومقصود ہے، چونکہ اللہ عزوجل نے مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا ''ولا تبذر تبذیرا'' (بنواسرائیل:۲۶)

اسی لیے ایک روایت میں جان میں امن اور بدن میں صحت اور اس دن کے کھانے کی فراہمی کے ساتھ صبح کو باعث سعادت قرار دیا گیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:''جو شخص تم میں

سے اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لیے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی'' (ترمذی) اس حدیث مبارکہ سے صحت اور امن وعافیت اور بقدر کفاف مال کے حصول کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

یہ بھی ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص حلال دنیا کو اس لیے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق) کے لیے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا'' (شعب الایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ کسب مال بقدر ضرورت دین بچانے کے لیے اور ادائے حقوق کے لیے بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے جسم کی جان کی حفاظت کے لیے ان تین امور کا پاس ولحاظ رکھے، ہر کام کو اصول صحت کا پابند ہو کر شریعت کے احکام کی بجاوری کرتے ہوئے، صحت جسمانی، توانائی وقوت جسمانی اور اور بقدر مال کفاف کے حصول کے ساتھ یکسوئی وفراغت کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو، یہ مطلوب وشرعا محمود امر ہے، اس لیے اس کے لیے تگ ودو کرنا یہ دراصل شریعت کے احکام ہیں، البتہ صحت وقوت کی برقراری اور مال کے حصول کو ذریعہ آخرت اور زاد روز محشر بنائے، ورنہ یہ توانیاں، یہ فروانیاں، یہ انگڑائیاں بسا اوقات انسان کے لیے سوہان روح اور جہنم کا ایندھن بن جاتی ہے، اس لیے ہر امر میں وسط واعتدال کے ساتھ صحت، وقوت اور حلال مال کی جستجو اور فروانی کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہے، اپنی جان کی حفاظت کا حق ادا کرے تب ہی وہ حقوق اللہ وحقوق العباد کو تندہی کے ساتھ کر سکتا ہے، اللہ عزوجل توفیق ارزانی عطا کرے۔ (آمین)

❁ ❁ ❁

بزرگ عالمِ دین

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کی رحلت

ازقلم: مفتی عبدالرؤف غزنوی
استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی

بروز پیر ۲۴؍صفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲؍اکتوبر ۲۰۲۰ء دارالعلوم دیوبند کے پرانے فاضل اور جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے نگران وروحِ رواں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم نعمانی صاحب کا تقریباً چورانوے سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون۔

حالیہ چند ہی سالوں کے اندر اس دنیائے فانی سے تسلسل کے ساتھ علمائے کرام اور مصلحینِ اُمت کی رحلتوں کا ایسا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوگیا ہے جو مسلمانوں کے لیے بالعموم اور طالبانِ علومِ نبوت کے لیے بالخصوص ایک صبر آزما مرحلہ ہے۔ ۲۳؍شعبان ۱۴۳۸ھ بروز ہفتہ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ استاذِ حدیث وسابق ناظمِ تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا وصال ہوگیا اور ۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ بروز منگل حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کا انتقال ہوگیا اور اسی دن حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحبؒ مقیم مدینہ منورہ وخلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ بھی واصل بحق ہوئے۔

۲۷؍رجب ۱۴۳۹ھ بروز ہفتہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔ ۲۳؍صفر ۱۴۴۰ھ بروز جمعہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو نامعلوم افراد نے بے دردی سے شہید کیا اور دو مہینے بعد بروز پیر ۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ کو حضرت مولانا رشید اشرف سیفیؒ استاذِ حدیث دارالعلوم کراچی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ۱۰/ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ عید الاضحیٰ کے پہلے دن بروز پیر حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ فرزند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کا سانحۂ وفات پیش آیا، اورصرف ایک مہینہ اور ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ۱۷/محرم ۱۴۴۱ھ بروز منگل حضرت مولانا محمد جمال صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیوبند کا وصال ہوگیا۔ ابھی ان حضرات کا غم تازہ ہی تھا کہ ایک مہینے بعد ۱۸/صفر ۱۴۴۱ھ کو حضرت مولانا اسفندیار خان صاحبؒ بانی و شیخ الحدیث جامعہ دارالخیر کراچی کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔

مزید چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات مسلکِ دارالعلوم دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا علاّمہ خالد محمود صاحبؒ مقیم برطانیہ نے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، ان کی رحلت کے صرف پانچ دن بعد ۲۵/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز منگل محدّثِ جلیل اور مفسّرِ نبیل حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ شیخ الحدیث وصدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند اپنے بے شمار شاگردوں اور محبین و متعلقین کو داغِ مفارقت دیتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں پہنچ گئے۔

۱۶/شوال ۱۴۴۱ھ بروز پیر حافظ صغیر احمد صاحبؒ مؤسس وسرپرست اعلیٰ مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویۃ وخلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کا لاہور میں انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے چند ہی دن بعد صرف ایک ایک دن کے وقفے سے تین بزرگ حضرات راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، چنانچہ ۲۹/شوال ۱۴۴۱ھ شبِ یکشنبہ کو مفتی محمد نعیم صاحبؒ بانی ومہتمم جامعہ بنوریہ کراچی اور ۳۰/شوال ۱۴۴۱ھ شبِ دوشنبہ کو حضرت قاری شریف احمد صاحب تھانویؒ سابق استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی اور اگلے دن یکم ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ بروز منگل حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن صاحب ہزارویؒ خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ وبانی ومہتمم جامعہ دارالعلوم زکریا راولپنڈی کا انتقال ہوگیا۔

واضح رہے! حضرت قاری شریف احمد صاحب تھانویؒ ایک جید حافظ وقاری، گوشہ نشین بزرگ اور اپنے بچپن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی صحبت اُٹھانے والے اور ان کے بے شمار سبق آموز واقعات کے حافظ تھے، ان کی والدہ محترمہ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی بڑی اہلیہ محترمہ کے درمیان رشتہ داری تھی، جس کے تحت وہ حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا خصوصیات کے پیشِ نظر حضرت علاّمہ سید محمد یوسف صاحب

بنوریؒ نے درجۂ حفظ کے استاذ کی حیثیت سے جامعہ علوم اسلامیہ میں ان کا تقرر فرمایا تھا، جہاں کئی سال تک آپ کی تدریس کا سلسلہ جاری رہا تھا اور بعد میں از خود یکسوئی و گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

ابھی ذوالقعدہ کا مہینہ چل ہی رہا تھا کہ بروز پیر ۲۸؍ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے داماد حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہریؒ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہرِ علوم سہارنپور کے وصال کی خبر موصول ہوئی۔ حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحبؒ کے فراق کا غم تازہ ہی تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قُدِّس سرُّہٗ کے ایک بزرگ شاگرد وخلیفۂ مجاز حضرت مولانا احمد شفیع صاحبؒ مہتمم دارالعلوم معین الاسلام، ہاٹھزاری، بنگلہ دیش ۲۹؍محرم ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ تقریباً ایک سو پانچ سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اگلے ہی مہینے میں ۲۲؍صفر ۱۴۴۲ھ بروز ہفتہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحبؒ مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی کی شہادت کا صبر آزما سانحہ پیش آیا اور صرف دو دن بعد ۲۴؍صفر ۱۴۴۲ھ بروز پیر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحبؒ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ۲۳؍شعبان ۱۴۳۸ھ کو حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ استاذِ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند انڈیا کی رحلت سے لے کر ۲۴؍صفر ۱۴۴۲ھ کو حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب نعمانیؒ نگران شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے وصال تک اس مختصر مضمون میں صرف ان اربابِ علم ومعرفت اور اصحابِ اصلاح وتربیت کے اسمائے گرامی نمونے کے طور پر درج کیے گئے ہیں، جن سے احقر کو کسی نہ کسی نسبت سے نیازمندی وعقیدت یا کم از کم تعارف وواقفیت حاصل تھی اور ان کی وفات کی تاریخیں بھی احقر کے پاس محفوظ تھیں، ورنہ مذکورہ بالا عرصے کے اندر عالمی سطح پر رختِ سفر باندھنے والے اہلِ علم حضرات کی کل تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

بجھ گئے کتنے شبستانِ محبّت کے چراغ
محفلیں کتنی ہوئی شہرِ خموشاں کہیے

ایک لمحۂ فکریہ

علمائے کرام اور مصلحینِ امت کا اس تسلسل کے ساتھ سفرِ آخرت پر روانہ ہونا عالَمِ اسلام کے لیے صرف ایک وقتی صبر آزما مرحلہ نہیں، بلکہ ایک عظیم خسارہ اور بڑی محرومی کا پیش خیمہ ہے، جس کی

تلافی بظاہر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا...“ (سورۃ الرعد:۴۱)، ترجمہ ومفہوم: ”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔“ حافظ ابن کثیرؒ اپنی مایۂ ناز تفسیر میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے، رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ: ”زمین گھٹانے کا مقصد، فقہاء وعلماء اور اربابِ خیر وتقویٰ کی رحلتِ آخرت ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے علمائے کرام کی پے در پے موت کو قیامت کی نشانی اور گمراہی پھیلنے کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

”إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا.“ (صحیح البخاری، ج:۱،ص:۱۸)

ترجمہ ومفہوم: ”قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہیں کہ علم اُٹھالیا جائے اور جہالت جم جائے اور شراب پی جائے اور زنا عام ہوجائے۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

”إِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.“ (صحیح البخاری، ج:۱،ص:۲۰)

ترجمہ ومفہوم: ”اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اُٹھائیں گے کہ اسے لوگوں کے سینوں سے چھین لیں؛ لیکن علم علماء کے اُٹھانے کی صورت میں اٹھالیں گے، حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، تو اُن سے پوچھا جائے گا وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کی زندگی پر ایک نظر

آپ کی ولادت ماہِ ذوالقعدہ ۱۳۴۷ھ کو جے پور راجستھان کے ایک دینی گھرانے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے اور بعض دیگر علاقوں میں حاصل کی اور پھر علوم عالیہ کی تحصیل کے لیے امُّ المدارس دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، جہاں مختلف اساتذۂ کرام سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتے ہوئے ۱۳۶۹ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین

دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، حضرت مولانا علاّمہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

واضح رہے! شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی (متوفّٰی: ۱۳۷۷ھ) قُدِّس سرُّہٗ کے براہِ راست شاگردوں میں سے چند ہی بقیدِ حیات تھے، جن کی تعداد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب نعمانیؒ نگران شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن اور حضرت مولانا احمد شفیع صاحبؒ مہتمم دارالعلوم معین الاسلام، ہاٹھزاری، بنگلہ دیش کی رحلت کے بعد مزید محدود ہوگئی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ پاکستان تشریف لاکر مختلف لائبریریوں کے اندر علمی وتحقیقی کاموں سے منسلک ہوئے اور ۱۹۸۱ء کو ''اسلامی کتب خانے'' کے موضوع پر جامعہ کراچی سے پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کرلی۔ ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحبؒ حضرت مولانا علاّمہ سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ کے معتمد خاص اور جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے نگران تھے، بعد میں جب وہ اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے جامعہ سے یکسو ہوگئے، تو جامعہ نے شعبۂ تخصص فی الحدیث کی نگرانی اُن کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کے حوالے کردی، جس پر وہ اپنی وفات تک نہایت استقامت وکامیابی کے ساتھ فائز رہے۔

موصوف مسلسل کئی سال تک شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ کو پڑھاتے بھی رہے اور ان سے مختلف موضوعات پر مقالے بھی لکھواتے رہے، جن میں سے بعض مقالے کتابوں کی صورت میں شائع ہوکر کافی مقبولیت حاصل کرچکے ہیں۔ وہ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود پابندی اور عزم وہمت کے ساتھ ان طلبہ کی نگرانی فرماتے رہے۔ انہوں نے اللہ کے فضل وکرم سے ایک طویل عمر پائی، اس پوری عمر میں وہ تحقیق ومطالعہ، تصنیف وتالیف اور تدریس وتعلیم سے وابستہ رہے۔ ان کی قابلِ رشک زندگی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پاک صادق آرہی ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ خَيْرُ النَّاسِ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ." (رواہ الترمذی وحسّنہ)

ترجمہ ومفہوم: ''حضرت عبداللہ بن بُسرؓ سے روایت ہے کہ ایک بدّو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا: یارسول اللہ! لوگوں میں بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور اُس کا عمل اچھا ہو۔''

بے مثال تواضع وسادگی

حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کی یہ خصوصیت بالکل نمایاں تھی کہ اپنی تمام تر صلاحیتوں، اپنے شاگردوں میں بے حد مقبولیت ومحبوبیت اور اپنے طویل علمی تجربات کے باوجود وہ نہ تو کبھی علمی افتخار کا شکار ہوئے اور نہ ہی غرور وخود بینی میں مبتلا ہوئے۔ وہ اپنے کاموں کو اپنے ہی ہاتھوں سے انجام دینے کو ترجیح دیتے، اگر انہیں کسی شخص سے ملنا ہوتا تو وہ شخص چاہے آپ کے شاگرد کے درجے میں ہوتا، تب بھی اس کو اپنے پاس نہ بلاتے، بلکہ اپنے ضعف وپیرانہ سالی کے باوجود اچانک کھڑے ہوتے اور اپنے خادموں سے کہتے کہ مجھے کہیں جانا ہے اور چلتے چلتے اس شخص کے پاس پہنچ جاتے۔

شاید اسی تواضع وسادگی، ہمت وعزم اور اعتماد علی اللہ کا یہ نتیجہ تھا کہ مرض الموت تک چورانوے سال کی عمر میں اپنے پاؤں سے چلتے پھرتے رہے اور وہیل چیئر سے مدد لینے یا کرسی پر نماز پڑھنے کی نوبت اُنہیں پیش نہیں آئی، یہاں تک کہ رمضان المبارک میں طویل تراویح بھی کھڑے ہوکر ادا کرتے۔

مولاناؒ اپنے شاگردوں کے لیے ایک عملی نمونہ تھے

یہ ایک حقیقت ہے کہ استاذ ومربی صرف پڑھانے یا وعظ ونصیحت کرنے سے اپنے شاگردوں کی عملی اصلاح وتربیت میں اس وقت تک مکمل کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، جب تک وہ خود اپنی ذات کے ذریعے ان کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش نہ کرے، چاہے وہ پڑھانے میں اچھی خاصی مہارت اور وعظ ونصیحت پر پورا عبور کیوں نہ رکھتا ہو، اس لیے کہ ہر سیکھنے والے اور تربیت لینے والے کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے معلّم ومربی کے زبانی الفاظ کو عملی لباس میں دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحب نعمانیؒ ان علمائے ربّانیین میں سے تھے جن سے ان کے شاگرد صرف علومِ ظاہری ہی نہیں حاصل کرتے؛ بلکہ اُن کی زندگی کے اندر اتباعِ سنت، اخلاص وتواضع، دنیا سے بے رغبتی، شہرت ومنصب سے بے اعتنائی اور مطالعۂ کتب میں انہماک کو دیکھ کر عملی

تربیت بھی لیتے۔ شعبۂ تخصص فی الحدیث میں ان کے شاگرد چونکہ درسِ نظامی سے فارغ التحصیل اور کافی باشعور طلبہ ہوتے؛ اس لیے وہ مذکورہ بالا اُمور کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے استاذ سے علمی استفادے کے ساتھ ساتھ، عملی زندگی کے اطوار وطریقے بھی سیکھ لیتے اوران سے بے انتہا محبت وعقیدت رکھتے۔

نایاب کتب کے حصول کا شوق

مولاناؒ کو مطالعۂ کتب سے غایت درجہ محبت تھی جو ایک کامیاب مدرّس ومحقّق کی پختہ علامت ہے۔ وہ نایاب کتب کے حصول اور مخطوطات وجدید مطبوعات کی ذخیرہ اندوزی کے دلدادہ تھے۔ وقتاً فوقتاً مختلف کتب خانوں میں خود چلے جاتے اور جو بھی کوئی نئی اور مفید کتاب نظر آتی تو اپنی استطاعت کے مطابق اُسے خرید لیتے اور جب ان کو معلوم ہوتا کہ کہیں کتابوں کی کوئی نمائش لگی ہوئی ہے تو وہ وقت نکال کر وہاں تشریف لے جاتے اور دیر تک کتابوں کا معاینہ اورانتخاب کرتے ہوئے اپنی جمع پونجی ان کی خریداری پر خرچ کرکے واپس آتے۔

اپنے مذکورہ بالا جذبے کے تحت وہ اپنی زندگی میں جو بھی کچھ پس انداز کرلیتے، اسے کتابوں کی خریداری پر لگا لیتے۔ انھوں نے نہ تو پرآسایش زندگی گزارنے کے لیے کوئی غیرضروری ساز وسامان جمع کیا اور نہ ہی اپنے لیے کوئی ذاتی سواری خریدی، البتہ کتابوں کا ایک بہت اہم اور بڑا ذخیرہ اپنے پاس ضرور جمع کیا۔ وفات سے چند ہی سال پہلے تک وہ عام لوکل بس کے ذریعے جامعہ بنوری ٹاؤن آتے جاتے، نہ تو کبھی انہوں نے جامعہ سے کسی سواری کے انتظام کا تقاضا کیا اور نہ ہی زبان سے کسی کے سامنے شکایت کا اظہار کیا۔

جامعہ علومِ اسلامیہ سے محبت ووفاداری

حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحب نعمانیؒ کو حضرت محدّث العصر علاّمہ سید محمد یوسف بنوری قُدِّس سرُّہٗ سے بے انتہا عقیدت اور جامعہ علومِ اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن سے حد درجہ محبت تھی۔ وہ مرض الموت کے وقت تک پابندی کے ساتھ روزانہ جامعہ تشریف لاتے رہے اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ کو پڑھاتے اور اُن کی نگرانی فرماتے رہے، اور جب مرض الموت کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہوگئے، یہاں تک کہ وقفے وقفے سے استغراق کی کیفیت

طاری ہونے لگی، اس دوران بھی اگر جامعہ کا نام سن لیتے تو وہ خوش ہوجاتے اور اپنے خدّام سے کہتے کہ مجھے جامعہ لے جاؤ۔

آپ نے اپنی وفات سے تقریباً ڈیڑھ دوسال قبل اپنی تمام ذاتی کتابیں الماریوں سمیت جامعہ بنوری ٹاؤن کو وقف کردیں، یہ ان کی زندگی کا سب سے اہم اور قیمتی سرمایہ تھا، جس سے انہوں نے جب تک مطالعہ کی قوت باقی تھی خوب استفادہ کیا اور جب ضعف وپیرانہ سالی اور نگاہ کی کمزوری کا وقت آ گیا تو اس علمی سرمائے کو جامعہ کے حوالے کرکے اس کے ذریعے اپنے لیے اُخروی کامیابی وسرخروئی کا انتظام کرلیا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور اُن کے خاندان سے عقیدت ومحبت

دینی تعلیم سے آراستہ حضرات کا یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اساتذہ سے للّٰہ فی اللّٰہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور اپنے اساتذہ کی خدمت واحترام اور اُن کی نصائح پر عمل کرنے کو اپنی دنیا وآخرت کی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ زمانۂ ماضی سے لے کر زمانۂ حال تک اساتذۂ کرام سے اُن کے ہونہار شاگردوں کے احترام وعقیدت کے واقعات ومثالیں بے شمار ہیں۔ راقم الحروف نے بھی اپنے زمانے میں اس احترام وعقیدت کی بہت سی مثالوں کا مشاہدہ کیا ہے، تاہم! شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قُدّس سرُّہٗ سے اُن کے تلامذہ ومتعلقین کی عقیدت ومحبت کی کوئی مثال عصرِ حاضر کے اندر کم از کم میرے مشاہدے میں تو نہیں آئی ہے۔

احقر کو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے متعدّد مایۂ ناز شاگردوں سے الحمدللہ براہِ راست شرفِ تلمُّذ حاصل ہوا ہے اور ان کے مزید درجنوں تلامذہ ومتعلقین کی زیارت وملاقات، بلکہ بعضوں کی صحبت کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ شیخ الاسلامؒ کے شاگردوں میں جو مشترکہ اور بے مثال چیز مجھے نظر آئی تھی، وہ اپنے استاذ سے بے مثال محبت اور بے نظیر عقیدت تھی۔ جب بھی وہ حضرات اپنے شیخ واستاذ حضرت مدنیؒ کا ذکرِ خیر کرتے تو فرطِ محبت وعقیدت میں زار وقطار روتے اور رُلاتے، اور ان کے ایسے سبق آموز واقعات سناتے جن سے سننے والوں پر ایک سکتہ طاری ہوجاتا۔ شیخ الاسلامؒ کے تلامذہ ومتعلقین کی مذکورہ بالا کیفیت دیکھ کر سامعین بن دیکھے شیخ الاسلامؒ کے گرویدہ بن جاتے، اور یہ حقیقت اُن کے سامنے عیاں ہوجاتی کہ شیخ الاسلامؒ سے ان کے تلامذہ ومتعلقین کی محبت صرف جذباتی نہیں، بلکہ حقیقت وواقعیت پر مبنی ہے۔

اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کی محبت وعقیدت کی بھی وہی کیفیت تھی جو اُن کے دوسرے شاگردوں کی تھی، چنانچہ جب بھی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا تذکرہ کرتے یا سنتے تو اُن کی آنکھیں پرنم ہوجاتیں۔ اسی محبت کے تحت شیخ الاسلامؒ کے خاندان سے بھی اپنی وفات تک بالذات یا بالواسطہ اُن کا رابطہ رہا۔ ماہِ رجب ۱۴۳۵ھ کو حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر جب احقر نے دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا تو اس موقع پر حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ نے حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب زیدمجدہم کی خدمت میں احقر کے ذریعے سلام اور ایک ہدیہ بھیجا، جس کے جواب میں فرزندِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی زیدمجدہم نے بھی احقر کے توسُّط سے مولاناؒ کی خدمت میں سلام وہدیہ ارسال فرمایا۔ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم سے احقر کا بذریعۂ فون رابطہ ہوتا رہتا ہے، وہ رابطہ کرنے پر اکثر حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کی حالت معلوم کرتے اور سلام کہلواتے، جب میں اُن کا سلام حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحبؒ کو پہنچاتا، وہ فرطِ مسرّت ومحبت سے دیر تک زاروقطار روتے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کی شاگردی سے سرفراز ہونے کی سعادت تو احقر کو حاصل نہ ہوسکی، تاہم دارالعلوم دیوبند کے پرانے فاضل ہونے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے براہِ راست شاگرد ہونے اور جامعہ علومِ اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کے ایک بزرگ اور باعمل استاذ کی حیثیت سے میں اُن کو اپنے استاذ کا درجہ دیتا تھا، وہ بھی دارالعلوم دیوبند سے فیض یاب ہونے کی مشترکہ نسبت کے تحت احقر پر خصوصی شفقت فرماتے اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان اور تلامذہ ومحبّین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

❁ ❁ ❁

مسائل وفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ ذیل کے بارے میں:

انسان کے بدن کے بال کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟ اس کی تجارت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: (قاری) ناصرالدین
نزد بستہ والی مسجد، محلّہ صرّافان، کھتولی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے تمام اعضا واجزا کے ساتھ قابلِ تکریم واحترام بنایا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اور کسی چیز کی خرید وفروخت (کاروبار)، اس کے کمتر ہونے کی دلیل ہوتی ہے؛ اس لیے اسلام میں انسانی بالوں کی خرید وفروخت (تجارت/کاروبار) جائز نہیں ہے؛ بلکہ باطل وغیر معتبر ہے اور اس کا پیسہ بھی ناجائز وحرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولقد کرَّمنا بنی آدم الآیة﴾ (سورة الإسراء، رقم الآية: ۷۰)

(**بطل بيع .... شعر الإنسان) لكرامة الآدمي ولو كافرًا، ذكره المصنف وغيره في بحث شعر الخنزير** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ۷: ۲۴۴، ۲۴۵، ط: مكتبة زكريا ديوبند، ۴۱: ۵۶۲-۵۶۵، ت: الفرفور، ط:دمشق)

قوله: "وشعر الإنسان": ولا يجوز الانتفاع به لحديث: "لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة". (ردالمحتار).

قوله: "ذكره المصنف": حيث قال: والآدمي مكرم شرعًا وإن كان كافرًا فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلال له اهـ، أي: وهو غير جائز،

وبعضه فی حكمه، وصرح في فتح القدير ببطلانه. (المصدر السابق)

فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

محمدنعمان سیتاپوری غفرلہٗ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۲/۴/۸ھ=۲۰۲۰/۱۱/۲۴ء

الجواب صحیح:

حبیب الرحمٰن عفااللہ عنہ، محمود حسن غفرلہٗ بلندشہری

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

=====================

سوال: کیافرماتے ہیں علمارکرام ومفتیان عظام اس سلسلہ میں کہ

فارم کامُرغا جس کو ''بولر'' کہتے ہیں اُس کوکھانا جائز ہے کیا؟

میں نے کسی جگہ فتویٰ میں پڑھا تھا، جواب میرے پاس نہیں ہے کہ ''بولر'' کھانا جائز نہیں ہے، وجہ اس کی یہ بیان کی گئی تھی کہ ''اس مُرغے کو فارم ہاؤس میں جو غذا دی جاتی ہے وہ حرام ہے'' اب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا ''بولر'' کھانا جائز ہے؟

والسلام

محمد شکیل، مکان نمبر ۱۲۳۹، محل سرائے بلی ماران، دہلی-٦

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت میں جو جانور حلال قرار دیے گئے ہیں، اگر انھیں کوئی ایسی غذا یا دانہ کھلایا جائے، جو حرام یا ناپاک اجزا سے تیار کیا گیا ہو تو وہ جانور اور ان کی نسلیں حرام نہیں ہوتیں؛ البتہ کسی جانور کو حرام یا ناپاک دانہ یا غذا کھلانا ناجائز اور گناہ ہے۔ (بہشتی زیور مدلل، ۹:۱۰٦، مطبوعہ: کتب خانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارن پور)۔

اور حرام یا ناپاک دانہ یا غذا سے جانور اور اس کی نسل اس لیے حرام نہیں ہوتی کہ جو دانہ یا غذا جانور کے پیٹ میں پہنچتی ہے، وہ بعینہٖ اسی حالت میں اس کے جسم کا جز نہیں بنتی؛ بلکہ مختلف مراحل سے گذر کر اس کی حقیقت وماہیت تبدیل ہوجاتی ہے اور وہ خون اور گوشت میں تبدیل ہوکر جسم کا جز بنتی ہے اور شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ ماہیت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے اور فقہاء نے لکھا ہے: اگر کسی بکری کے بچے کی پرورش خنزیر (سور) کے دودھ سے ہوئی اور وہ بچہ بڑا ہوکر بکرا یا بکری ہوگیا تو اس کا گوشت حلال وجائز ہوگا؛ کیوں کہ بچے کے پیٹ میں خنزیر کا جو دودھ پہنچا، اس کا کچھ حصہ گوشت وپوست وغیرہ میں تبدیل ہوگیا اور کچھ پیشاب بن کر جسم سے خارج ہوگیا (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۱۵:۵۳۸، جواب سوال: ۱۴۰، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم دیوبند)۔

لہٰذا بوائلر چکن کھانا جائز ہے، وہ حرام نہیں اگر چہ کسی جانور کو حرام یا ناپاک دانہ یا غذا کھانا ناجائز ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر بوائلر چکن سے اس وجہ سے پرہیز کرے کہ وہ بہت زیادہ مفید نہیں یا طبی اعتبار سے اس میں نقصان دہ پہلو ہوتے ہیں تو ذاتی طور پر پرہیز واحتیاط کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، ۹:۴۹۱، ۴۹۲، ط: مكتبة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر)

وما مات لا تطعمه كلبا فإنه خبيث حرام نفعه متعذر (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصيد، ۱۰ :٦٧)

فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم

محمد نعمان سیتاپوری غفرلہٗ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۲۳/۳/۱۴۴۲ھ=۱۰/۱۱/۲۰۲۰ء

الجواب صحیح:

حبیب الرحمٰن عفااللہ عنہ، محمود حسن غفرلہٗ بلندشہری

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

====================

سوال: حضرت چاندی کے قلم کا استعمال کرنا کیسا ہے میرے پاس چاندی کا ایک قلم ہے تو کیا میں اس سے لکھ سکتا ہوں یا نہیں برائے کرم مدلل جواب سے نوازیں احسان ہوگا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق:– مرد یا عورت کسی کے لیے بھی چاندی کا قلم استعمال کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا آپ کے پاس جو چاندی کا قلم ہے، آپ اُس سے لکھنے کا کام نہیں کرسکتے۔ اور اگر قلم پر چاندی یا سونے کا صرف پانی چڑھایا گیا ہو تو اُس سے لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

ويكره أن يكتب بالقلم المتخذ من الذهب أو الفضة أو من دواة كذلك ويستوي فيه الذكر والأنثى (الفتاوى السراجية، كتاب الكراهة والاستحسان، باب المتفرقات، ص: ۳۳۵، ط: مكتبة الاتحاد، ديوبند) **ونقله عنه في الفتاوى الهندية** (كتاب الكراهية، الباب العاشر فى استعمال الذهب والفضة، ۵: ۳۳۴، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر)

(و)كره (الأكل والشرب والادهان والتطيب من إناء ذهب وفضة للرجل والمرأة) لإطلاق الحديث، (وكذا) يكره (الأكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلهما) وما أشبه ذلك من الاستعمال كمكحلة ومرآة وقلم ودواة ونحوها

(الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، ۹: ٤٩٢، ط: مكتبة زكريا ديوبند)

قوله: "للرجل والمرأة": قال في الخانية: والنساء في ما سوى الحلي من الأكل والشرب والادهان من الذهب والفضة والعقود بمنزلة الرجال، ولا بأس لهن بلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ أهـ. قوله: "لإطلاق الحديث": هو ماروي عن حذيفةؓ أنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لا تلبسوا الحرير ولا الديباج ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها؛ فإنها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة " رواه البخاري ومسلم وأحمد وأحاديث أخر ساقها الزيلعي، ثم قال: فإذا ثبت ذلك في الشرب والأكل فكذا في التطيب وغيره؛ لأنه مثله في الاستعمال (رد المحتار).

والخلاف في المفضض، أما المطلي فلا بأس به بالإجماع بلا فرق بين لجام وركاب وغيرهما؛ لأن الطلاء مستهلك لا يخلص فلا عبرة للونه، عيني وغيره (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، ۹: ٤۹۷)

قوله: "والخلاف في المفضض": أراد ما فيه قطعة فضة فيشمل المضبب، والأظهر عبارة العيني وغيره وهي: وهذا الاختلاف في ما يخلص، وأما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع؛ لأنه مستهلك فلا عبرة ببقائه لونا اهـ(رد المحتار).

وأما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع كذا في الكافي (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر فى استعمال الذهب والفضة، ٥: ۳۳٤) فقط والله تعالىٰ أعلم

محمد نعمان سیتاپوری غفرلہٗ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۲/۴/۲۳ھ=۲۰۲۰/۱۲/۹ء

الجواب صحيح:
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، محمود حسن غفرلہٗ بلند شہری
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

======================

سوال: کیا تین یا چار رکعت والی فرض یا نفل کے تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملانے سے سجدہ سہو واجب ہوگا؟ مع دلیل جواب تحریر فرمائیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الجواب وبالله التوفيق:– فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے، سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت یا کسی سورت کی آیتیں ملانا خلاف سنت ہے؛ لہٰذا

اگر کسی نے فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا کسی سورت کی آیتیں بھی پڑھ لیں تو اس نے خلاف سنت کیا؛ البتہ سجدہ سہو واجب نہ ہوگا، مفتی بہ قول یہی ہے۔ اور فرض کے علاوہ واجب، سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت یا کسی سورت کی تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر کوئی بڑی آیت پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی شخص بھول کر سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت یا کسی سورت کی چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت نہیں پڑھے گا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامهما وهو ثلاث آيات قصار .... وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثاً قصاراً ذكره الحلبي (في الأولیين من الفرض)، وهل يكره في الأخريين؟ المختار لا (و) في (جميع) ركعات (النفل)؛ لأن كل شفع منه صلاة (و) كل (الوتر) احتياطاً (لدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ۲: ۱٤۹–۱۵۱، ط: مكتبة زكريا ديوبند، ۳: ۱۹۲– ۱۹۵، ت: الفرفور، ط: دمشق)

قوله: ”وهل يكره“: أي: ضم السورة. قوله: ”المختار لا“: أي: لا يكره تحريماً؛ بل تنزيهاً؛ لأنه خلاف السنة، قال في المنية وشرحها: فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهياً يجب عليه سجدتا السهو في قول أبي يوسفؒ لتأخير الركوع عن محله، وفي أظهر الروايات لا يجب؛ لأن القراء ة فيهما مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب اهـ، وفي البحر عن فخر الإسلام أن السورة مشروعة في الأخريين نفلاً، وفي الذخيرة أنه المختار، وفي المحيط: وهو الأصح اهـ، والظاهر أن المراد بقوله نفلاً الجواز والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولى كما أفاده في الحلبة (رد المحتار).

ولو قرأ في الأخريين الفاتحه والسورة لا يلزمه السهو وهو الأصح.... كذا في محيط السرخسي (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ۱: ۱۲٦، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر).

فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

محمد نعمان سیتاپوری غفرلہٗ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۲/۱/۲۶ھ=۲۰۲۰/۹/۱۵ء

الجواب صحيح:
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، محمود حسن غفرلہٗ بلندشہری
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

====================

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

مجلس عاملہ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس

دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۹/ جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ مطابق ۴/ جنوری ۲۰۲۱ء دوشنبہ کو دارالعلوم کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حضرت مہتمم صاحب اور نومنتخب صدرالمدرسین حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے علاوہ حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی، حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب مالیگاؤں، حضرت مولانا انوارالرحمٰن صاحب بجنور اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب راجستھان نے شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی، حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب میل وشارم، حضرت مولانا رحمت اللہ میر صاحب کشمیر مختلف اعذار کے وجہ سے شریک اجلاس نہیں ہوسکے۔

دو نشستوں پر مشتمل اجلاس کی پہلی نشست صبح دس بجے منعقد ہوئی جبکہ دوسری نشست بعد نماز مغرب منعقد ہوئی۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں گذشتہ مجلس شوری صفر ۱۴۴۲ھ اور مجلس عاملہ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ کی کاروائی اجلاس کی خواندگی وتوثیق عمل میں آئی، نیز خواندگی کی کاروائی کے دوران زیرغور مسائل پر فیصلے لیے گئے۔ اجلاس میں مجلس تعلیمی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور تعلیم کے سلسلے میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلہ میں حکومت کی جانب سے واضح گائڈ لائن آنے کے بعد حتمی فیصلہ لیا جائے اور اس کے بعد ہی طلبہ کے لیے باضابطہ طور پر اعلان جاری کیا جائے۔ اجلاس میں دیگر اہم امور پر بھی تبادلۂ خیال کیا گیا اور ضروری فیصلے کیے گئے۔

دارالعلوم میں تین نئی کمیٹیوں کی تشکیل

کوویڈ ۱۹ بیماری اور لاک ڈاؤن کے باعث مارچ ۲۰۱۹ء سے تعلیمی سلسلہ بند ہے اور ابھی تک اس

کی بحالی ممکن نہیں ہوسکی ہے۔ امید تھی کہ محرم وصفر کے مہینے میں شاید حالات کچھ معمول پرآجائیں اور حکومت کی طرف سے تعلیمی سلسلہ شروع کرنے کی اجازت مل جائے؛ لیکن جن تعلیم گاہوں میں طلبہ قیام وطعام کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے دوبارہ کھولنے کے سلسلے میں ابھی حکومت کی طرف سے ہدایات نہیں آئی ہیں؛ اسی وجہ سے مدارس، یونیورسٹیوں اور بورڈنگ اسکولز وغیرہ میں تعلیمی سلسلہ حسب سابق بحال نہیں ہوسکا ہے۔

دارالعلوم میں تعلیمی سلسلہ بحال ہونے میں تاخیر کی وجہ سے دارالعلوم انتظامیہ نے ربیع الاول ۱۴۴۲ھ کے اواخر (دسمبر ۲۰۲۰ء) میں مشورہ کے بعد تین کمیٹیاں تشکیل دے کر حضرات اساتذۂ کرام کو مختلف علمی وتحقیقی اور دینی وسماجی سرگرمیوں سے مربوط کرنے کا نظام بنایا جس کی کچھ تفصیل ذیل کے عناوین کے تحت درج کی جارہی ہے۔

اصلاح معاشرہ کمیٹی

دارالعلوم دیوبند نے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور عامة الناس کی دینی وفکری رہ نمائی کے لیے 'اصلاح معاشرہ کمیٹی' تشکیل دی جس کی سرپرستی حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب معاون مہتمم دارالعلوم فرمارہے ہیں اوراس کمیٹی کا کنوینر جناب مولانا محمد مزمل صاحب بدایونی کو بنایا گیا۔ کمیٹی کے دیگر ممبران حسب ذیل ہیں: حضرت مولانا خضر محمد کشمیری، جناب مولانا محمد ایوب صاحب سکندرپوری، جناب مولانا مفتی ریاست علی صاحب ہری دواری، جناب مولانا محمد علی صاحب بجنوری، جناب مولانا مفتی معروف صاحب، جناب مولانا محمد یامین صاحب (مبلغ)، جناب مولانا محمد عرفان صاحب (مبلغ)، جناب مولانا محمد راشد صاحب (ناظم شعبۂ تنظیم وترقی)۔

اولاً کمیٹی نے شہر دیوبند اور قرب وجوار کی مساجد میں اساتذۂ کرام اور مبلغین کے ذریعہ اصلاحی بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی طرح مختلف مساجد میں ہفتہ واری اصلاحی بیان کے ساتھ درس قرآن، درس حدیث اور تعلیم وتصحیح قرآن برائے بالغان کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ الحمد للہ دارالعلوم کے اس اقدام کے مفید نتائج سامنے آئے اوراسے نہایت تحسین کی نظر سے دیکھا گیا؛ چناں چہ اس سلسلے کو مزید وسعت دیتے ہوئے مغربی یوپی کے کچھ دیگر اضلاع مظفرنگر، شاملی، باغپت وغیرہ اوراتراکھنڈ میں ہری دوار اور دہرہ دون تک اس دائرہ کو پھیلا دیا گیا۔

مجلس عاملہ کی حالیہ میٹنگ میں دارالعلوم انتظامیہ کے اس اقدام کی توثیق کرتے ہوئے رابطۂ

مدارس اسلامیہ عربیہ کے پلیٹ فارم کے ذریعہ اس دائرہ کو مزید بڑھانے کی تجویز پاس کی گئی؛ چناں چہ رابطۂ مدارس کے صوبائی ذمہ داران سے رابطہ کرکے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ دیگر مدارس بھی اپنی سطح پر اس طرح کے پروگراموں کا سلسلہ شروع کریں۔

تحقیق وتالیف وترجمہ کمیٹی

اسی طرح یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ دارالعلوم کے اساتذہ سے حسب ذوق وصلاحیت مختلف علمی کام لیے جائیں؛ چناں چہ اسی مقصد سے 'تحقیق وتالیف وترجمہ کمیٹی' تشکیل دی گئی جس کی نگرانی حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب معاون مہتمم دارالعلوم سے متعلق ہے اور اس کمیٹی کا کنوینر جناب مولانا عمران اللہ صاحب کو بنایا گیا۔ کمیٹی کے دیگر ممبران میں حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمد عارف جمیل صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب شامل ہیں۔

کمیٹی نے غور وخوض اور صلاح ومشورہ کے بعد مختلف قدیم کتابوں کی نئے انداز پر ترتیب اور حسب ضرورت نئے عنوانات پر مضامین ومقالات کی تیاری کا نظام بنایا اور اساتذہ کو کتابوں کی تحقیق اور مقالات لکھنے کا کام سونپا گیا۔ فی الحال تقریباً چالیس نئے عناوین پر لٹریچر کی تیاری کا کام اساتذہ کو سونپا گیا ہے۔ کوشش کی جارہی ہے کہ دینی وسماجی طور پر ضروری اور حساس عنوانات پر ایسا مستند لٹریچر تیار کیا جائے جو حالات حاضرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور جدید اسلوب میں معاصر ذہن کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرسکے۔

اسی طرح اکابر علمائے دیوبند کی تقریباً بیس کتابوں کو ایڈٹ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے، جس میں بہ طور خاص حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت کشمیریؒ، حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ وغیرہ کی کتب شامل ہیں۔

ترتیب کتب خانہ کمیٹی

کتب خانہ کی ترتیب نو کے سلسلے میں حضرات اساتذہ کے علم ومہارت سے استفادہ کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے کنوینر حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی بنائے گئے۔ کمیٹی کے دیگر اراکین میں حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکوی، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب معروفی،

حضرت مولانا محمد افضل صاحب کیموری، جناب مولانا ذاکر حسین صاحب، جناب مولانا اشرف عباس صاحب شامل ہیں۔

کمیٹی نے کتب خانے کا جائزہ لے کر کتابوں کی ترتیب کا سلسلہ شروع کیا ہے۔اس ذیل میں کتب خانہ کے ریکارڈ میں درج تقریباً دو لاکھ کتابوں کی موضوع وار اور درسی وغیر درسی کتب کی علیحدہ ترتیب کا سلسلہ جاری ہے۔اسی طرح لائبریری کے کارڈ سسٹم کو مزید بہتر اور مؤثر بنانے کے سلسلے میں کام چل رہا ہے جس میں دارالعلوم کے شعبۂ خوشخطی کے اساتذہ جناب مولانا عبدالجبار صاحب، جناب مولانا نیاز الدین صاحب اصلاحی اور جناب منشی منصور احمد صاحب کے ذریعہ کتابوں کے کارڈ تیار کیے جارہے ہیں۔

ناظم لائبریری مولانا شفیق احمد صاحب نے بتایا کہ دارالعلوم کی لائبریری میں ڈیڑھ ہزار مخطوطات کے علاوہ ایک اندازے کے مطابق تقریباً اسی ہزار مطبوعہ ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں سے اکثر کمیاب اور نادر ہیں۔اسی لیے منصوبہ بنایا گیا ہے کہ نئے انداز پر ان کتابوں کی تفصیلی واجمالی کیٹلاگنگ کی جائے تاکہ لائبریری سے استفادہ کو مزید آسان بنایا جاسکے۔

❁ ❁ ❁